بدعت یا اظہارِ محبت

جشنِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مکانۃ حبیب الخلاق فی ضوء آیۃ المیثاق

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

آیتِ میثاق کی روشنی میں

خصائصِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم



افادات

اشرف العلماء شیخ الحدیث

علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

ترتیب و حواشی:

محمد سہیل احمد سیالوی

محمد شعیب حسن سیالوی

بزمِ شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

بدعت یا اظہارِ محبت

جشنِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مکانۃُ حبیبِ الخلاق فی ضوء آیۃ المیثاق

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

آیتِ میثاق کی روشنی میں

خصائصِ سیدُالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

افادات

اشرف العلماء شیخ الحدیث

علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی

ترتیب و حواشی:

محمد سہیل احمد سیالوی

محمد شعیب حسن سیالوی

بزم شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ (مجموعۂ مقالات)
افاداتِ عالیہ	اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ
ترتیب وتدوین وحواشی	محمد سہیل احمد سیالوی
تاریخ اشاعت بارِ اول	ربیع النور ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۰۸ء
اشاعتِ ثانیہ	صفر المظفر 1435ھ دسمبر 2013ء
ضخامت	168 صفحات
بدلِ تعاون	

برائے رابطہ:

بزمِ شیخ الاسلام پاکستان

جامعہ رضویہ احسن القرآن، کشمیر ٹاؤن، دینہ، ضلع جہلم (پنجاب پاکستان)

Email: sohailsialvi@gmail.com

+92 322 58 50 951

بزم اشرف العلماء قدس سرہ العزیز

مرکزی جامع مسجد پرانی عیدگاہ جھنگ صدر 0345-7604884

جامعہ شمسیہ رضویہ ضیاء العلوم سلانوالی، 0300-6046376

دار العلوم محمدیہ اشرفیہ، اشرف آباد شریف، نزد فاروقہ (سرگودھا) 0302-6723736

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست

حضرتِ اشرف العلماء قدس سرہ

ولادت/تعلیم وتربیت:

اشرف العلماء، شیخ الحدیث، ابو الحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء کو ضلع جھنگ کے ایک دیہات غوشیوالہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد گرامی جناب فتح محمد صاحب نہایت نیک سیرت بزرگ تھے قصبہ بڑانہ میں مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے درج ذیل اساطین علم وحکمت سے استفادہ کیا۔

- جامعہ محمدی شریف میں مولانا حافظ محمد شفیق سے 1 سال
- سیال شریف میں ڈیڑھ سال مولانا صوفی حامد علی اور مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی سے کافیہ اور شرح تہذیب پڑھی۔
- پیلاں میں مولانا سید احمد اور مولا محمد حسین شوق سے 3 ماہ استفادہ کیا۔
- چھ ماہ مرولہ شریف میں اس وقت کے سجادہ نشین حضرت مولانا غلام سدید الدین علیہ الرحمۃ سے شرح جامی اور قطبی کے بعض مقامات پڑھے۔
- ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء میں استاذ العلماء ملک المدرسین حضرت علامہ الحاج عطا محمد بندیالوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساڑھے تین سال تک گولڑہ شریف، سیال شریف اور بندیال شریف میں ان سے کسب فیض کیا۔
- ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں حضرت شیخ القرآن مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ قرآن پاک میں شریک ہوئے۔
- اسی سال ماہ شوال میں حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ کی

خدمت میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔

- سیال شریف قیام کے دوران شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ سے ہدایۃ النحو اور دیگر کتب کا درس لیا، آپ کی روحانی توجہات سے مستفیض ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

__تدریس اور تلامذہ:__

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ان گنت خصائلِ حمیدہ سے نوازا، شرفِ ملت، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

"وہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کے لئے قدرت ربانی کا عظیم عطیہ ہیں۔ وہ بیک وقت متعدد اوصاف جمیلہ کے حامل ہیں۔ وہ عالم ربانی بھی ہیں اور عبقری محقق بھی، مد مقابل پر چھا جانے والے مناظر بھی ہیں اور دلائل کی فراوانی سے سامعین کے دل و دماغ کو متاثر کرنے والے خطیب بھی، وہ کتب درسیہ کا گہرا ادراک رکھنے والے مدرس بھی ہیں اور کثیر التصانیف مصنف بھی، وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں ان کا قلم سیال کہیں رکنے کا نام ہی نہیں لیتا زبان عربی پر اس قدر عبور رکھتے ہیں کہ اردو سے زیادہ روانی کے ساتھ عربی میں لکھتے ہیں"

(عظمتوں کے پاسباں ص: ۲۵۰)

تحصیل علم کے بعد آپ نے اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کو ترویج و اشاعت دین کے لئے وقف کر دیا۔ شوال ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء میں تدریس کا آغاز کیا۔

- دو سال دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں
- دو سال جامعہ نعیمیہ لاہور
- پانچ سال سلانوالی
- ایک سال رکن الاسلام حیدر آباد میں پڑھاتے رہے۔

- ۱۹۷۱ء سے ۲۰۰۰ء تک مسلسل دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں درس دیا۔
- ۲۰۰۰ء سے تا حال جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا میں محو تدریس ہیں۔

تدریس کے ان 45 سال میں آپ سے سینکڑوں تشنگان علم سیراب ہوئے ان کا احاطہ کرنا انتہائی دقت طلب کام ہے چند کے اسماء گرامی یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

- شرف ملت شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالی
- شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبد الرزاق بھترالوی زید مجدہ
- محقق اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری حفظہ اللہ تعالی
- حضرت علامہ ابو الفضل مولانا اللہ دتہ سیالوی رحمہ اللہ تعالی
- استاذ العلماء حضرت علامہ محمد بشیر احمد سیالوی رحمہ اللہ تعالی
- امام القراء حضرت علامہ قاری محمد یوسف سیالوی حفظہ اللہ تعالی
- حضرت علامہ مولانا گل محمد سیالوی
- حضرت علامہ صاحبزادہ ڈاکٹر ابو الخیر محمد زبیر
- حضرت علامہ مفتی محمد رفیق حسنی
- حضرت علامہ صاحبزادہ مولانا غلام نصیر الدین سیالوی
- حضرت علامہ محمد نصر اللہ سیالوی
- مولانا محمد نذیر سیالوی
- حضرت مولانا محمد اعظم صاحب
- پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک
- پروفیسر دوست محمد شاکر
- پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی

مولانا محمد طفیل مرحوم

تصانیفِ جلیلہ:

اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے اوقات میں عظیم برکت عطا فرمائی ہے۔آپ نے تحریر، تدریس، مناظرہ اور تقریر سمیت تمام شعبہ ہائے تبلیغ میں نمایاں خدمت سرانجام دی ہیں اب تک آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل تصانیف وجود میں آچکی ہیں۔

(1)۔کوثر الخیرات لسید السادات ﷺ

سورہ کوثر کے معانی و مطالب کا ایمان افروز مجموعہ،فضائل مصطفی ﷺ کا حسین گلدستہ، بارگاہِ نبوی میں مقبولیت کی حامل تحریر

(2)۔جلاء الصدور فی سماع اهل القبور

استمداد وتوسل اور استعانت کے مسائل کا دارومدار حیات برزخی پر ہے اس کتاب میں اس مسئلہ پر پوری تفصیل سے دلائل ذکر کیے گئے ہیں اور منکرین کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔یہ کتاب اپنے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

(3)۔تنویر الابصار بنور النبی المختار

نورانیت مصطفے ﷺ پر قرآن وحدیث سے دلائل اور دیوبندی مولوی یوسف رحمانی سے اس موضوع پر گفتگو کی روئداد

(4) انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ

گزشتہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور کتب سابقہ کی زبان سے بشارات مصطفے ﷺ کا بیان

(5) دی ہولی بائبل اور شان انبیاء میں گستاخیاں

سابقہ آسمانی کتب میں ہونے والی تحریف کے ٹھوس ثبوت، یہود ونصاری کے لیے درسِ

فکر اور سامانِ عبرت

(6) تحفہ حسینیہ (3 مجلدات)

تقیہ، امامت، مسئلہ فدک، حدیثِ قرطاس، فضائلِ صحابہ، فضائلِ شیخین کے موضوع پر منفرد تحریر۔ روافض کے عقائد کا تفصیلی تجزیہ اور شبہات کا ازالہ اس موضوع پر یہ کتاب ایک نا قابل تردید دستاویز ہے۔

(7) متعہ اور اسلام

نکاح کے فلسفہ کا مدلل بیان، متعہ کی حرمت اور روافض کی فحاشیوں کا چشم کشا تذکرہ

(8) تنبیہ الغفول فی نداء الرسول ﷺ

توسل، استمداد، استعانت، نداء از بعید وغیرہ مسائل پر عدیم النظیر کتاب تھی لیکن اس کا مسودہ ایک نامور اشاعتی ادارہ کے مالکان سے ضائع ہو گیا۔ بعد میں آپ کے لختِ جگر حضرت صاحبزادہ علامہ غلام نصیر الدین سیالوی نے اس موضوع پر اسی نام سے کتاب لکھی جو بزمِ شیخ الاسلام کی طرف سے شوال ۱۴۲۷ھ میں چھپ چکی ہے۔

(10) گلشنِ توحید و رسالت (2 جلد)

توحید و شرک، عظمت رسالت اور نجدی توحید کی حقیقت کو منکشف کر دینے والی ایمان افروز تحریر۔

(11) ازالۃ الریب عن مقالۃ فتوح الغیب

حضرت غوث اعظم قدس سرہ کی فتوح الغیب کے ایک مقالہ کے حقیقی مفہوم کی وضاحت اور اس میں معنوی تحریف کرنے والوں کا بے لاگ شرعی محاسبہ۔

(12) ھدایۃ المتذبذب الحیران فی الاستعانۃ باولیاء الرحمان

انبیاء و اولیاء اللہ کو من دون اللہ اور غیر اللہ قرار دینے کی مذموم کوشش کا رد بلیغ

تراجم:

آپ نے درج ذیل عربی کتب کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے:

(13) الوفا بأحوال المصطفے ﷺ لابن الحوزی(م ۵۹۷ ھ)۔

(14) شواهد الحق فی الاستعانة بسید الخلق ﷺ

للشیخ الامام یوسف بن اسماعیل النبهانی رحمه الله (م ۱۳۵۰ ھ)

(15) السیرة الحلبیةللا مام العلامة علی بن برهان الدین الحلبی (م ۱۰٤٤ ھ)

(16) مجموعة صلوات الرسول ﷺ

غوث زماں امی ولی حضرت خواجہ عبد الرحمٰن چھوہروی قدس سرہ (م یکم ذی الحج ۱۳۴۲ھ) نے درود وسلام کے صیغ پر فصیح عربی میں پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب تصنیف فرمائی ،یہ کتاب بیک وقت درود وسلام کے موضوع پر ایک بے نظیر تصنیف بھی ہے اور ادبِ عربی کا شاندار شاہکار بھی-شرف ملت رحمہ اللہ تعالی کے ایماء پر آپ نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا-

آپ کے افادات عالیہ:

(17) روئیدادِ مناظرۂ جھنگ

۲۷ اگست ۱۹۷۹ء کو بنگلہ تول والا ضلع جھنگ میں آپ کا مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی سے سات گھنٹے تاریخی مناظرہ ہوا جس میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے آپ کو فتح مبین حاصل ہوئی- منصفین نے متفقہ طور پر آپ کی فتح کا اعلان کیا۔اس مناظرے کی تمام روئیداد آپ کے تلمیذ رشید مولانا خورشید الحسن سیالوی نے کیسٹوں سے سن کر لفظ بہ لفظ قلم بند فرمائی-

(18) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ......سیرت مطہرہ، علمی کارنامے، فقہ حنفی کا اجمالی جائزہ

آپ درجنوں علمی ،فکری، اعتقادی موضوعات پر سیکڑوں خطابات ارشاد فرما چکے ہیں جو تحقیق و دانش کا عظیم خزینہ ہیں ۔ مذکورہ بالا مجموعہ آپ کے ایک خطاب کی تدوینی شکل ہے

۔96 صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ قلزم در قطرہ کا مصداق ہے۔

(19) پیشِ نظر مجموعہ جس میں آپ کے تین خطابات کو مرتب کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے صحیح بخاری، سنن ترمذی، تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کے دروس زیرِ ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق تکمیل سے نوازے۔

آپ کو فیاض ازل نے حیرت انگیز قوت فہم، استحضار، صلابت رائے اور حق گوئی کی صفات سے نوازا ہے، رب ذوالجلال آپ کے ظل ہمایوں کو اہل سنت پر تادیر قائم ودائم رکھے اور اہل اسلام کو آپ کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

<u>پس نوشت:</u>

علم وعمل اور جہدِ مسلسل سے بھرپور لائق تقلید زندگی گزار کر حضرت اشرف العلماء قدس سرہ بالآخر 12 رجب المرجب 1434ھ/ 23 مئی 2013ء کو عالم بقا کی طرف منتقل ہوئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔شدید علالت کے دوران آپ نے شھادۃ الثقلین بأفضلیۃ الشیخین(رضی عنہما رب المشرقین والمغربین) کے نام سے مسئلۂ افضلیتِ شیخین اور خلافتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر مبسوط کتاب تصنیف فرمائی، اللہ کریم آپ کی خدماتِ جلیلہ کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے رفعتِ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین

انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی

جشنِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن وحدیث کی روشنی میں

افادات

اشرف العلماء شیخ الحدیث

علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

ترتیب حواشی:

محمد سہیل احمد سیالوی

محمد شعیب حسن سیالوی

بزمِ شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ

قرآن وحدیث کی روشنی میں

افادات: اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

اَلحمد لله وكفى، وسلامٌ على عباده الذين اصطفىٰ، خصوصًا على أفضل رسله وسيّد الأنبياء، منبع الجود والعطاء، ماحى الذنوب والخطا، صاحب المقام والشفاعة واللواء، الذى دنا فتدلّٰى، فكان قاب قوسين أو أدنى ،فأوحى اليه ربُّه ما أوحى ،محمدِ ن المصطفىٰ ،أحمد المجتبى، الذى كان نبيًّا وآدم بين الطين والماء ،وعلى آله الكرماء والشرفاء، وأصحابه أهل التقى والنقىٰ، والتابعين لهم بالاحسان الى يوم الجزاء۔ أمّا بعد: فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (يونس:٥٨)

صدق الله مولانا العظيم۔ وصدق رسوله النبى الكريم الأمين ۔ان اللّٰه وملائكته يصلون على النبى، يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً۔ الصلوة والسلام عليك يا رسول الله ۔وعلى آلك وأصحابك يا

حبیب اللہ۔

معزز مہمانانِ گرامی، علمائے کرام اور برادرانِ اسلام!

آپ سماعت فرما چکے ہیں کہ آج کی اس نشست کا موضوع ﴿ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی شرعی حیثیت ﴾ ہے، کوشش کی جائے گی کہ اس موضوع پر قرآن وسنت کی روشنی میں حقیقتِ واقعیہ آپ کے گوش گزار کی جائے اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے ہوئے حق کو بے نقاب کیا جائے۔

جشنِ میلاد کے استحباب کی پہلی دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (یونس:۵۸)

''اے محبوب! ﷺ آپ ان لوگوں سے ارشاد فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت حاصل ہونے پر خوشی منائیں اور یہ خوشی منانا دنیا کے مال و دولت کو اکھٹا کرنے سے بہتر ہے''

صیغۂ امر کے معانی اور علمائے اصول کا مقرر کردہ ضابطہ:

اس آیت کی تفسیر میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس میں ﴿فَلْيَفْرَحُوْا﴾ امر کا صیغہ ہے۔ امر کے صیغے سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اس بارے میں علمائے اصول نے بہت طویل مباحث ذکر فرمائے ہیں۔ امر کبھی وجوب ولزوم کے لیے ہوتا ہے کبھی استحباب کے لیے اور کبھی دیگر معانی میں استعمال ہوتا ہے، تاہم امر کے معانی میں سے

کم از کم درجہ اباحت کا ہے۔ یعنی جس چیز کے لیے امر کا صیغہ استعمال کیا جائے اسے کم از کم جائز ضرور ہونا چاہیے۔[۱]

اس سلسلے میں علمائے اصول نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے، وہ ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ امر اباحت کے لیے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس چیز کا حکم دیا جائے جو پہلے حرام اور ناجائز تھی جب ایسی چیز کے بارے میں حکم اور امر والا صیغہ استعمال ہوگا جو پہلے ناجائز تھی تو اب اس صیغۂ امر سے اس کا جواز، اس کا مباح ہونا ثابت ہوگا۔ اس کی ایک مثال سماعت فرمایئے:

حالتِ احرام میں شکار کرنا حرام اور ممنوع ہے، لیکن جب احرام کھول دیا جائے تو جائز ہے، ارشاد باری تعالی ہے ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدۃ:۲) ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو'' یہاں بھی ﴿فاصطادوا﴾ امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''تم شکار کرو'' چونکہ یہاں ایسی چیز کا حکم دیا جا رہا ہے جو پہلے ممنوع اور حرام تھی لہذا مذکورہ ضابطے کے مطابق یہاں امر کا صیغہ اباحت یعنی شکار کے جواز کو بیان کرنے کے لیے تصور کیا جائے گا۔[۲]

لیکن اگر ایسی چیز کا حکم دیا جائے جو پہلے ممنوع یا حرام نہ تھی تو ایسا امر کا صیغہ یا وجوب ولزوم کے لیے ہوگا یا کم از کم استحباب کے لیے۔ ﴿فلیفرحوا﴾ میں فضل و کرم اور رحمت کے حصول پر خوشی منانے کا حکم ہے یہ خوشی منانا چونکہ پہلے منع نہ تھا لہذا یہ حکم بھی کم از کم استحباب کے لیے ہوگا، اور یہ آیت کریمہ کسی بھی قسم کے فضل اور رحمت کے حصول پر خوشی کے مستحسن ہونے کی دلیل بن جائے گی۔

جب اتنی بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ فضل اور رحمت کے حصول پر خوشی منانا ایک پسندیدہ اور مستحب عمل ہے تو اب ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی آمد اور آپ کی ولادتِ باسعادت نہ صرف اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رحمت ہے بلکہ یہ ایسا فضل ہے جس کا مقابلہ کوئی اور فضل نہیں کر سکتا اور ایسی رحمت ہے کہ کوئی اور رحمت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ لہذا اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں میلادِ مصطفی ﷺ پر خوشی منانا اور اظہارِ مسرت کرنا نہ صرف جائز اور مباح ہو گا بلکہ انتہائی پسندیدہ اور مقبول ترین امر قرار پائے گا۔

دوسری اور تیسری دلیل:

دوسرے مقام پہ ارشاد باری تعالی ہے ﴿وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرۃ:۱۵۲) ”میرا شکر کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو“

ایک اور مقام پہ اللہ تعالی نے تعلیم شکر دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم:۷) ”اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے“

ان تینوں آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ انعامات و اکرامات کے حصول پر شکر ادا کرنا نعمت کے بقاء بلکہ اس میں اضافے کا سبب ہے اور اس کو بھلا دینا اور ناشکری کا مظاہرہ کرنا عذابِ الہی کا حق دار بننے کے مترادف ہے۔

اب ذرا اس طرف بھی توجہ فرمایئے کہ نبی کریم ﷺ کے نعمتِ الہیہ اور رحمتِ ربانیہ ہونے اور دیگر اشیاء کے نعمت اور رحمت ہونے میں کیا فرق ہے؟ نبی کریم ﷺ نہ صرف یہ کہ سراپا نعمت و رحمت ہیں بلکہ باقی تمام انعامات اور رحمتوں کے وجود کا وسیلہ اور ان کی بقا کے ضامن بھی ہیں۔ کائنات کی ہر نعمت و رحمت آپ کے سبب وجود میں آئی اور آپ ہی کے وسیلہ سے ہر نعمت و رحمت کو بقا حاصل ہے۔ جب عام نعمتوں کے حصول پر خوشی منانا ضروری اور لازمی اور ان کا کفران عذابِ الٰہی کے مستحق بننے کا سبب ہے تو جو ہستی سب نعمتوں کی جان، سب انعامات کی وجہِ تخلیق ہیں ان کی آمد پر اور ان کے حصول پر خوشی منانا کس قدر مؤکد واجب ہوگا اور اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہو گی؟

جس شان تھیں شاناں سب بنڑیاں:

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے نورِ مقدس کو تمام کائنات سے پہلے پیدا فرمایا [۳] جس طرح ہمارے اجسام بعد میں بنائے گئے لیکن روحیں پہلے پیدا کی گئیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی چونکہ روحِ کائنات اور جانِ کائنات ہیں اس لیے آپ کے نورِ پاک اور روحِ پاک کو پہلے پیدا کیا گیا اور پھر تمام کائنات کی تخلیق کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ روح سے تعلق کی بدولت ہی جسم میں قوت و طاقت اور تازگی پیدا ہوتی ہے اور جوں ہی روح کا تعلق ختم ہوتا ہے جسم بے جان اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے، نبی کریم ﷺ چونکہ روحِ کائنات تھے اسی لیے آپ کے نورِ پاک کی تخلیق تمام کائنات سے

پہلے ہوئی، اور کائنات اب بھی موجود ہے تو آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ تعلق کی وجہ سے موجود ہے، جس چیز کا تعلق آپ کی ذاتِ بابرکات سے ٹوٹ جاتا ہے وہ نیست و نابود ہو کر رہ جاتی ہے۔

امام اہلِ سنت نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس اور روحِ اطہر کی شان بزبانِ صاحبِ روح البیان علیہ الرحمۃ والرضوان:

حضرت علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے روح البیان میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بہت خوبصورت بات تحریر فرمائی، سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت میں پہنچایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا، تو سب محبوبوں کے سردار، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کو کیوں جنتوں یا آسمان کی بلندیوں پر نہیں پہنچایا، انہیں کیوں زیرِ زمین دفن ہونے دیا؟

علامہ حقی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

دراصل روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ارواح کی اصل اور بنیاد ہے اور جسمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ اجسام کی اصل اور بنیاد ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی روحِ پاک کو اوپر اٹھا لیا تاکہ عالمِ ارواح کو اس کے ذریعے بقا حاصل رہے اور جسمِ اقدس کو عالمِ اجسام میں

رکھا تا کہ جسمِ اقدس، عالمِ اجسام کی بقا کا سبب بنا رہے، اس طرح عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے باقی ہیں اور شاد و آباد ہیں۔ [٤]

جس ہستی کی شان یہ ہے کہ تمام مخلوقات کا وجود اور بقا ان کی مرہونِ منت ہے بلا شک وشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین احسان اور اعلیٰ ترین فضل ہیں اور ان کی آمدِ پاک پر خوشی اور مسرت کا اظہار عین ایمان اور نہایت ہی مستحسن کام ٹھہرے گا۔

جشنِ میلاد......نواب صدیق حسن خان کی نظر میں:

غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی کتاب الشمامة العنبریة میں لکھتے ہیں کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پاک کی خوشی بارہ ربیع الاول کو منائی جائے پھر بھی جائز اور مستحسن ہے اور اس سے آگے پیچھے کی تاریخوں میں منائی جائے پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بارہ ربیع الاول کو خوشی منانے میں ایک خاص وقت کی تعیین ہے جو شریعت سے ثابت نہیں تو اس توہمِ بدعت کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کے علاوہ دیگر ایام میں اور ربیع الاول کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی خوشی منائی جائے تا کہ تعیین والا وہم ختم ہو جائے۔

نواب موصوف نے یہاں تک لکھا کہ جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ پاک پر خوشی حاصل نہیں ہوتی اور خوشی و مسرت کے جذبات دل میں پیدا نہیں ہوتے ایسا شخص دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہے۔ [٥]

محبوب کریم ﷺ نے خود اپنے میلاد کی خوشی منائی:

جو لوگ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانے پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا ہے، اور خود اپنی ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا فرما کر اس بارے میں امت کی مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔

نبی کریم ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے، سوال کیا گیا، یا رسول اللہ! ﷺ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ اس دن کی تخصیص اور تعیین کا سبب پوچھا گیا تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا ﴿فیہ ولدت وفیہ أنزل علی﴾ ''میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر پہلی وحی نازل کی گئی'' [٦]

گویا آپ ﷺ نے روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ان احسانات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اس نے مجھے دولتِ وجود سے بھی نوازا اور نبوت و رسالت کا تاج بھی میرے زیبِ سر کیا۔

فوائدِ حدیث:

اس حدیثِ پاک میں غور کیا جائے اور تدبر و تفکر سے کام لیا جائے تو کئی نکات سامنے آتے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے گویا آپ ہر آٹھویں دن اپنے میلاد کی خوشی مناتے تھے، اگر ہر آٹھویں دن میلاد کی خوشی منانا سنت ہے تو سال

بعد اس دن پر خوشی منانا بدعت کیسے ہو سکتا ہے اور اس مبارک کام کو جسے سنتِ رسول ﷺ کی تائید حاصل ہو بدعت کے تیروں کا نشانہ کیوں کر بنایا جا سکتا ہے؟

(۲) آج بارہ ربیع الاول کو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانے والوں سے معترضین سوال کرتے ہیں کہ کیا اس بارہ ربیع الاول کو نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے کہ تم خوشی منا رہے ہو، وہ بارہ ربیع الاول جس کو آپ کی پیدائش ہوئی تھی وہ تو کب کا گزر چکا اب کس بات کی خوشی مناتے ہو؟

اس حدیثِ پاک کی روشنی میں ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے اور پوچھنے پر جواب دیتے ہوئے وجہ یہ بیان فرمائی کہ ﴿فیہ ولدت وفیہ انزل علی﴾ میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن مجھ پر وحی اتری، تو کیا نبی کریم ﷺ ہر سوموار کو پیدا ہوتے تھے؟ اور کیا ہر سوموار کو آپ پر اترنے والی وحی کے سلسلہ کا آغاز ہوتا تھا؟ جب ایسا نہیں اور اس کے باوجود نبی کریم ﷺ اس دن کے لوٹ کر آنے پر اظہار تشکر کر رہے ہیں تو ہمارا بھی اس دن کی آمد پر اظہار تشکر کرنا عین رضائے الٰہی اور سنتِ رسول ﷺ کا آئینہ دار ہوگا۔

انعامات و اکرامات الہیہ کا نزول زمان و مکان کی ابدی برکتوں کا ضامن:

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب کسی مقام، کسی زمانے، کسی گھڑی یا کسی لمحے کو کسی انعام و اکرام اور رحمت و برکت کے حصول و نزول سے تعلق ہو

جائے تو جب بھی وہ زمانہ، وہ گھڑیاں اور وہ ساعتیں لوٹ کر آتی ہیں وہ برکتیں اور رحمتیں ان کے ہمراہ ہوتی ہیں۔نبی کریم ﷺ کا ہر سوموار کو روزہ رکھنا اور جواب میں مذکورہ الفاظ کا ذکر کرنا اس کی واضح دلیل ہے۔ آیئے اس دعوے کو قرآن مجید کی عدالت میں پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نعمت و رحمت کا کسی زمان و مکان سے تعلق اسے ہمیشہ کے لیے متبرک اور ممتاز بناتا ہے یا نہیں؟

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة:۱۸۵) ’’رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا‘‘

ہم اعتراض کرنے والے بھائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ کیا قرآنِ مجید ہر رمضان المبارک میں نازل ہوتا ہے؟ جب ایسا نہیں ہے اور ایک دفعہ نزولِ قرآن کی بدولت قیامت تک کے لیے یہ ماہِ مبارک دیگر مہینوں سے ارفع و اعلیٰ اور ممتاز ٹھہرا تو جس دن صاحبِ قرآن، سید الانبیاء ﷺ کا ورود مسعود ہوا وہ دن اور وہ گھڑیاں ابد الآباد تک کیوں محور و منبعِ برکات نہ ٹھہریں گی؟

دوسری دلیل:

ایک اور مقام پہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِی لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (الدخان:۳) ’’بے شک ہم نے قرآن مجید کو برکت والی رات میں نازل کیا‘‘

تیسری دلیل:

تیسرے مقام پہ ارشاد فرمایا ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر:۱)

''بے شک ہم نے قرآن مجید کو قدر والی رات میں نازل فرمایا''

مقامِ غور ہے کہ کیا ہر لیلۃ القدر کو نزولِ قرآن ہوتا ہے؟ جب یقیناً ایسا نہیں اور اس کے باوجود اس رات کی برکت اور قدر و منزلت تا ابد برقرار رہے گی تو جن ساعتوں کو ولادتِ مصطفیٰ کی نسبت حاصل ہوگئی وہ کیوں برکتوں اور سعادتوں سے خالی ہوں گی اور تا قیامت برکات سے معمور نہ ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور میلادِ مصطفیٰ ﷺ:

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے محبوبِ کریم ﷺ کی ولادتِ پاک والی رات اپنے حواریین کو اپنے ماننے والوں کو جگایا اور انہیں اس رات کی اہمیت و عظمت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اٹھو جاگو!

''یہ رات سو کر گزارنے والی نہیں ہمیں چاہیے کہ ہم اس رات میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں اور اس رات کی برکتوں سے اپنی جھولیاں بھر لیں'' [۷]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل پر غور کیا جائے تو کئی باتیں نتیجہ کے طور پر سامنے آتی ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر جو کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے القاب سے ملقب، سر تا پا قدرتِ خداوندی کا مظہر، باپ کے بغیر پیدا ہونے

والا پاکیزہ نبی، انبیائے بنی اسرائیل کا خاتم ہے اس رات میں بیدار ہو کر اور عبادت بجالا کر اس کی عظمتِ شان کو واضح کر رہا ہے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف خود ہی بیدار اور مصروفِ عبادت نہیں ہو رہے بلکہ اپنے امتیوں اور حواریوں کو بھی بیدار کر کے اس مستحسن کام میں شامل فرما رہے ہیں۔

(۳) میلادِ پاک والی رات میں یہ اہتمام اور میلادِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کا یہ عظیم مظاہرہ اس وقت کیا جا رہا ہے جب ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں ولادت کو ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ باقی ہے، اگر ولادتِ پاک سے ساڑھے پانچ سو سال قبل وہ رات عظمتوں اور برکتوں سے معمور تھی اور ایک جلیل القدر نبی اپنی امت کو اس کی برکتیں سمیٹنے کی دعوتِ عام دے رہے ہیں تو اب جب کہ اس رات کو بالفعل ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین نسبت حاصل ہو چکی اور اس کی عظیم گھڑیاں اس مولودِ مسعود کی جلوہ گریوں سے مشرف و منور ہو چکیں اب اس کی عظمتوں، رفعتوں اور برکات کا عالم کیا ہوگا؟ اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو امتی اس رات کی یا اس مقدس دن کی تعظیم و توقیر کرے گا اور اسے عبادت اور ذکرِ مصطفیٰ میں بسر کرے گا اسے کس قدر اجر و ثواب ملے گا؟

(۴) اسی طرح اس سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ میلادِ پاک پر خوشی اور مسرت کا اظہار بدعت یا ممنوع نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کی سنت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس رات

میں جاگ اور عبادت و ریاضت کر کے اور اپنے حواریوں کو بھی ساتھ شامل کر کے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منائی۔

مجمعِ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد خوانی:

انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے مجمع میں نبی کریم ﷺ کی ولادتِ پاک اور آپ کی سیرتِ مطہرہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان فرمایا، چنانچہ آپ کا یہ فرمان آج بھی انجیل میں موجود ہے کہ

"وہ نبی جب پنگھوڑے میں ہوں گے تو چاند انہیں لوریاں دے گا اور جوانی کے عالم کو پہنچیں گے تو چاند کو دونوں مٹھیوں میں پکڑ لیں گے" [۸]

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو بیانِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر ملنے والا اجر:

اس مقام پہ ایک خاص نکتہ عرض کرتا چلوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے مجمع میں نبی کریم ﷺ کا میلاد بیان فرمایا، اس رات کو خود بیدار رہ کر اور امتیوں کو بیدار رہنے کی تلقین فرما کر شبِ میلاد کی تعظیم فرمائی تو قاعدہ یہ ہے کہ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان﴾ (الرحمٰن: ٦٠) احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے، ان کے اس احسان کے بدلے میں محبوبِ کریم ﷺ کی کتاب قرآن مجید نے پوری تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد بیان فرما دیا۔ اس میں ایک تو اس احسان کا بدلہ بھی آ گیا اور دوسرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے جو غلط فہمی پیدا ہو چکی تھی اور آپ کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ

رکھا جا رہا تھا قرآن مجید نے اس معاملے میں بھی راہِ ہدایت کو واضح فرما دیا۔

میلادِ عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن مجید:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب باپ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ بن کر دنیا میں تشریف لائے تو لوگوں میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے، آپ کی والدۂ ماجدہ کی طہارت پہ انگلیاں اٹھنے لگیں، آپ کے جوہرِ مقدس کے تقدس و طہارت پہ شک کیا جانے لگا، لوگ آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور پوچھا کہ یہ بچہ کیسے پیدا ہوا ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ (مریم:۲۹) حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو اس وقت پنگھوڑے میں تھے، اشارہ کیا کہ خود پیدا ہونے والے سے پوچھ لو کہ وہ کیسے پیدا ہو گیا ہے؟ حضرت مریم کا یہ جواب سن کر انہیں اور غصہ آیا کہ یہ کیسا مذاق کیا جا رہا ہے، ایسے بچے سے جو ابھی پنگھوڑے میں ہے ہم کیا پوچھیں اور وہ ہمیں کیا جواب دے گا؟ قرآن مجید نے ان کے خیالات کو اس طرح بیان کیا ہے ﴿قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ (مریم:۲۹) ''انہوں نے کہا ہم اس بچے سے کیسے گفتگو کریں جو ابھی بچہ ہے اور پنگھوڑے میں ہے''

قرآن مجید کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلادِ پاک آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے لیکن ضمناً ان آیات کی تفسیر میں ایک نکتہ ذہن نشین کر لیجیے:

(ایک ضمنی نکتہ) نبی کے احوال ومقامات کا عام لوگوں سے امتیاز:

حضرت مریم نے سوال کرنے والوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ کیا کہ ان سے سوال کرو یہ تمہیں جواب دیں گے، لیکن معترضین کی سوچ کیا تھی؟ ان کا اندازِ فکر کیا تھا؟ ان کی سوچ اور فکر یہ تھی کہ یہ بچہ بھی ہمارے عام بچوں کی طرح ہے: عام بچے اتنی چھوٹی عمر میں فہم سے عاری اور قوتِ گویائی سے محرِوم ہوتے ہیں، نہ وہ کسی کا سوال سمجھتے ہیں اور نہ مناسب جواب دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو یہ بھی اسی طرح ہوں گے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ انبیاء کو اپنی طرح سمجھنا اور ان کو اپنے آپ پر قیاس کرنا یہ پرانی روش ہے، لیکن ان لوگوں کی روش ہے جو ایمان اور ہدایت سے محروم ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کی روش، ان کی سوچ اور ان کی فکر وہ ہے جو حضرت مریم علیہا السلام نے ہمیں سکھائی ہے کہ نبی کا بچپن عام لوگوں سے جدا، اس کی جوانی عام لوگوں کی جوانی سے ممتاز، اور اس کا جوہر عام لوگوں کے جواہر سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی قوتوں، طاقتوں، اوصاف وخصائص اور احوال وواقعات پر انبیاء کرام کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنِ مجید اور ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات:

ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں، جب ان معترضین نے حضرت مریم کا یہ جواب سنا کہ اس پنگھوڑے والے سے پوچھ لو تو انہوں نے یہ سمجھا کہ مریم لا جواب ہو گئی ہیں، اور ہمارے سوال سے عاجز اور تنگ آ کر اس نے یہ بات کر دی ہے

ورنہ اتنی عمر کا بچہ کس طرح گفتگو کر سکتا ہے، یہ سوچ کر وہ واپس چل دیے، حضرت عیسی علیہ السلام اس منظر کو اپنے پنگھوڑے میں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں، جب آپ نے انہیں واپس پلٹتے دیکھا تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے، امام صاوی مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ آپ نے بائیں ہاتھ کے ساتھ پیچھے ٹیک لگائی اور دایاں ہاتھ آگے بڑھا کر، اشارہ کر کے انہیں واپس بلایا اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے جنہیں قرآن مجید نے نقل کیا ہے، آپ نے فرمایا ﴿اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا وَجَعَلَنِی مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصَانِی بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَبَرًّا بِوَالِدَتِی وَلَمْ یَجْعَلْنِی جَبَّارًا شَقِیًّا﴾ (مریم:۳۲،۳۱،۳۰)

"میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، مجھے منصب نبوت سے سرفراز کیا ہے، میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنا دیا ہے، اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز و زکاۃ کی ادائیگی اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، اور مجھے جابر اور بد بخت نہیں بنایا" [۹]

نبی کے یومِ ولادت، یومِ بعثت اور یومِ وصال کا امتیاز قرآن کی نظر میں:

حضرت عیسی علیہ السلام کی اتنی طویل گفتگو کو ذکر فرمانے کے بعد قرآن مجید نے ان کا ایک ایسا فرمان ذکر کیا ہے جس میں صراحت سے ایک دفعہ پھر ان کی ولادتِ پاک کا ان کی وفات کا اور ان کے دوبارہ قبرِ انور سے باہر نکلنے کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے فرمایا ﴿وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ

حَیًّا ﴾ (مریم:۳۳) ''مجھ پر سلامتی ہے اس دن جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میرا وصال ہوگا اور جس دن میں دوبارہ اٹھایا جاؤں گا''

اس فرمان میں حضرت عیسی علیہ السلام نے بطورِ خاص ان تین دنوں کو ذکر فرما کر اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ جن دنوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی ولادت، ان کے وصال یا ان کے کسی بھی اہم واقعے کے ساتھ نسبت ہو جائے وہ دیگر ایام سے ممتاز ہو جاتا ہے ورنہ بطورِ خاص ان ایام کو ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بن سکتی۔

یہاں تک آپ نے حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادتِ پاک کے بعد والے احوال کی جھلک ملاحظہ فرمائی، موضوع کی مناسبت سے ان آیات کا حوالہ دیا گیا ورنہ قرآن مجید نے ولادتِ عیسی سے پہلے کے واقعات کو بھی بیان کیا ہے، حضرت جبریلِ امین کا حضرت مریم کی خدمت میں آنا، آپس میں مکالمہ، حضرت جبریل کا یہ کہنا کہ میں رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جو تمہیں پاکیزہ بیٹا عطا کرنے آیا ہوں، حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت مریم کو پیش آنے والی تکالیف اور اللہ تعالی کی طرف سے ان کے ازالہ کے طریقہ کی تعلیم یہ سارے امور بھی قرآن مجید میں تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔

ہمیں ان لوگوں پر افسوس اور ان کے اس اندازِ فکر پر حیرت ہے جو میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے بیان کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں، اس موقع پر اظہار مسرت کو جہنمی ہونے کا سبب بتاتے ہیں، کیا قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیاتِ مقدسہ کو جان لینے اور سمجھ لینے کے بعد میلاد کے احوال بیان کرنے کے جواز میں کوئی شک و

شبہ ہوسکتا ہے؟ اور جس معاملے میں قرآنِ کریم کا واضح ہدایت نامہ ہمارے سامنے ہو اس میں کسی مومن کو کوئی تردد لاحق ہوسکتا ہے؟

اسی طرح یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید نے حضرت عیسی علیہ السلام کا میلاد بیان کرتے ہوے ان کے بچپن کی شان کو ظاہر فرمایا، اس میں یہ اشارہ دیا گیا کہ جس کے بچپن کی یہ عظمتیں ہیں اس کی جوانی کا عالم کیا ہوگا؟ اور پھر واقعتاً وہ اشارہ پورا بھی ہوا یہی حضرت عیسی علیہ السلام سو سالہ مردے کو ﴿قم باذن الله﴾ کہہ کر زندہ فرمارہے ہیں، کوڑھ والوں کے کوڑھ دور کر کے ان کو جلدی امراض سے شفایاب فرمارہے ہیں، جن کے چہرے پہ آنکھوں کے نشانات بھی نہیں، انہیں آنکھیں اور بینائی عطا فرمارہے ہیں، جو کچھ امتی کھا کر یا گھروں میں ذخیرہ کر کے آتے ہیں اس کی خبر دے رہے ہیں، اور ان کی یہ ساری شانیں بھی قرآن بیان کر رہا ہے۔[۱۰]

اس میں ولادت کے واقعات واحوال بیان کرنے کی حکمت بھی واضح ہوگئی کہ جب کسی کے بچپن کے محیر العقول احوال لوگوں کے سامنے بیان ہوں گے، اس کی ولادت کے موقع پر ظاہر ہونے والے معجزات کا تذکرہ ہوگا تو ایمان اور محبت سے فیض یاب دل ودماغ خود سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جس کا آغاز یہ ہے اس کی معراج کیا ہوگی؟ جس کی ابتداء یہ ہے کہ اس کے کمالات کی انتہاء کا عالم کیا ہوگا؟ قرآن مجید نے حضرت عیسی علیہ السلام کے حوالے سے ان دونوں مقامات کو کھول کر بیان فرمادیا کہ ان کا آغاز ان کے انجام اور ان کی ابتداء ان کی انتہاء کی خبر دے رہی تھی۔

آثار بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں:

اس ساری تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچیے کہ جب ہم یہ بیان کریں گے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت پر بت سرنگوں ہوئے، کعبۃ اللہ آپ کے در والا کی طرف سجدہ ریز ہوا، آتش کدے ٹھنڈے ہو گئے، خشک چشمے بہہ نکلے، کسریٰ کے محلات پہ لرزہ طاری ہو گیا، الغرض کائنات میں ایک عظیم انقلاب کی نوید سنائی دینے لگی، جب یہ کمالات بیان ہوں گے تو نبی کریم کی شان کے کتنے پہلو اجاگر ہوں گے؟ اور محبت والا ذہن عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے کتنے جہانوں سے شناسا ہوگا اور اسے کس قدر یقین ہو جائے گا کہ جس نبی کا آغاز اتنا باوقار ہے، جس کی ابتداء اتنی باطل سوز ہے اس کا عروج کیسا ہوگا؟ اور نبی کریم کی ابتداء وانتہاء کا موازنہ کیجیے کہ آغاز میں بت سرنگوں ہو رہے ہیں اور ان کا معراج یہ ہے کہ بتوں کی پرستش ختم فرما کر الہ واحد کی عبادت کا ڈنکا بجایا جا رہا ہے، آغاز یہ ہے کہ کسریٰ کے محلات لرز رہے ہیں اور دین کا عروج یہ ہے کہ روما اور فارس کی عظیم ترین سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہیں، ان کی ولادت پہ رونما ہونے والا یہ ظاہری انقلاب بتا رہا تھا اور خبر دے رہا تھا کہ بڑے ہو کر یہ نبی کتنے عظیم روحانی اور ظاہری انقلابوں کی بنیاد رکھیں گے۔[۱۱]

بوقتِ پیدائش سجدہ ریزی:

عام بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان کا جسم ناپاک ہوتا ہے، ماں ناپاک ہو جاتی ہے، جس جگہ پر بچے کی پیدائش ہوتی ہے وہ مقام پلید ہو جاتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی

شانِ ولادت ملاحظہ ہو کہ آپ آتے ہی سر سجدے میں رکھ رہے ہیں، نور پھیلاتے ہوئے دنیا میں تشریف لا رہے ہیں۔ گویا بوقتِ پیدائش ہی عام لوگوں سے اپنا امتیاز ظاہر فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں احکامِ طہارت سے بھی واقف ہوں، شرائطِ عبادت سے بھی آگاہ ہوں اور چونکہ میں نے تمام مخلوق کو ربِ واحد کے آگے جھکانا ہے، بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے اس لیے زمین پہ آتے ہی اپنی زندگی کا آغاز سجدے سے کر رہا ہوں۔[۱۲]

میلادِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ ﷺ:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ نبی کریم ﷺ نے ہر سوموار کو روزہ رکھ کر اپنی ولادت کی خوشی منائی، اب ذرا اس سے آگے چلتے ہیں، آپ نے خود اپنی زبانِ حق ترجمان سے اپنا میلاد بیان بھی فرمایا۔

دعائے خلیل علیہ السلام:

ایک دن آپ نے صحابۂ کرام کو فرمایا ﴿ساخبرکم باول امری﴾ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کس طرح پیدا ہوا، میرا ظہور کس طرح ہوا ﴿انا دعوۃ ابی ابراھیم﴾ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، جب انہوں نے احکم الحاکمین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ کا گھر تعمیر کیا، اس کے قریب اپنی آل کو بسایا، تو اتنے عظیم بادشاہ کے گھر کی تعمیر پر انہیں معاوضہ ملنا چاہیے تھا، انہوں نے کوئی اور معاوضہ نہیں مانگا بلکہ اتنی عظیم خدمت سرانجام دے کر ایک ہی دعا مانگی کہ اے باری

تعالیٰ تیرا گھر میں نے تعمیر کر دیا ہے، اس کے قریب اپنی بیوی اور بچے کو آباد کر دیا ہے ، اب تو اپنا رسول بھیج جو اس گھر کو بھی کما حقہ آباد کرے اور میری آل کی ہدایت کا سامان بھی کرے، اس دعا کے نتیجے میں میری ولادت ہوئی ۔ یہ دعائیہ کلمات خلیل اللہ علیہ السلام کی زبان اقدس سے نکل رہے تھے تو نقوشِ صوتیہ تھے لیکن بارگاہِ الوہیت سے قبولیت کا زیور پہن کر نکلے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام:

مزید فرمایا ﴿وبشارة عيسى﴾ میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، انہو ں نے قومِ بنی اسرائیل کو جمع فرما کر یہ بشارت سنائی تھی ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (الصّف:٦) ''اے میری قوم میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سامنے موجود تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تمہیں اس نبیٔ آخر الزمان کی بشارت سنانے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا اسمِ گرامی احمد ہے''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بشارت کا مصداق اور احمد کے اس پیارے نام کا مسمّی بنا کر مبعوث فرمایا۔

حضرت آمنہ کا نظارا:

ولادت کی شانوں میں سے تیسری شان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ﴿ورؤیا

امی التی رئت حین وضعتنی ،قد خرج منها نور اضاء لها منه قصور الشام ﴾ میں اپنی ماں کا وہ نظارا ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور وہ نظارہ یہ تھا کہ میری ولادت کے وقت اتنا عظیم الشان نور ظاہر ہوا کہ میری ماں نے اس کی بدولت شام کے محلات دیکھ لیے۔[۱۳]

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے وقتِ ولادت کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا ﴿قد خرج منی نور اضاء لی منه قصور الشام ﴾ مجھ سے ایسا نور نکلا جس کی بدولت مجھ پر شام کے محلات روشن ہو گئے۔[۱٤]

یہ حضرت آمنہ کے الفاظ اور محسوسات تھے ،اور نبی کریم ﷺ نے اپنے الفاظ میں ان کے محسوسات کی تصدیق فرمادی کہ میری ماں نے جو کچھ بیان کیا وہ واقعتا برحق ہے اور میں واقعی نور برساتا ہوا اس دنیا میں ظاہر ہوا۔

فوائدِ حدیث:

اس حدیث پاک میں غور فرمایئے نبی کریم ﷺ نے اپنی ولادت کے اسباب اور واقعات کتنی صراحت سے بیان فرمائے ،کہ حضرت ابراہیم نے میرے لیے دعائیں کیں ،حضرت عیسی نے میری بشارت دی ،پھر میری ولادت پر کیا انوار ظاہر ہوئے ۔ایسی محافلِ میلاد جن میں یہ واقعات بیان کیے جائیں یا سیرتِ نبویہ اور فضائل محمدیہ کے دیگر پہلو بیان کیے جائیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان محافل کے انعقاد میں کیا قباحت ہو سکتی ہے اور ان کے بدعت یا حرام ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

واقعاتِ میلاد پر اعتراض کرنے والوں کو درسِ فکر:

ایک دفعہ نام نہاد تنظیم ''اتحاد المسلمین'' کے نام سے قائم کی گئی، اور جیسا کہ اس طرح کی تنظیموں اور مجلسوں میں ہوتا ہے ہر قسم کے رطب و یابس اکھٹے کر لیے جاتے ہیں، کچھ عرصہ تک یہ ''اتحاد المسلمین'' رہتا ہے پھر ''شقاق المسلمین'' بن جاتا ہے۔ اس میں بھی ہر طبقۂ فکر کے لوگ اکھٹے کیے گئے، اکھٹے محافل میں جاتے، ایک دفعہ دورانِ تقریر ایک سنی عالم نے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت حلیمہ کی اونٹنی کا ذکر کیا جس کے خشک تھن سرکارِ دو عالم ﷺ کی برکت سے دودھ سے لبریز ہو گئے اور آپ کے اس خیمے میں قدم رکھتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی، یہ بات سن کر ایک مولوی صاحب جوشِ توحید میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم ان محفلوں میں اونٹنیوں اور گدھیوں کی باتیں نہیں ہونے دیں گے، اس کے بعد تو جو ہوا سو ہوا، قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اس طرح کے واقعات سے ان جانوروں کا ذکر مقصود ہوتا ہے یا نبی کریم ﷺ کی خداداد شان و عظمت کا اظہار؟ جب یقیناً اس سے مقصود و مطلوب آپ ﷺ کی برکات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس طرح سراپا برکات بنا دیا ہے کہ وہ اونٹنی جو چلنے سے عاجز تھی، جس کی شیر دانی خشک ہونے کی وجہ سے دودھ کا نام و نشان اس کے تھنوں میں نہ تھا آپ کی خداداد برکت نے اس کی قوتیں طاقتیں، توانائیاں اور تازگیاں بحال فرما دیں اور وہ بھرپور انداز میں دودھ دینے لگی تو پھر اس پر اعتراض کرنے کا کیا مقصد ہے اور ان واقعات کو بیان کرنے

سے توحید کے قلعے میں کون سی دراڑیں پڑ رہی تھیں کہ اس قدر برہمی اور برافروختگی کا مظاہرہ کیا گیا؟

محبوبانِ حق کی سواریوں کی شان......قرآنِ مجید کی نظر میں:

اگر کسی کو یہ واقعات پسند نہیں تو وہ بیان نہ کرے لیکن ان واقعات پر اعتراض کرنے یا بیان کرنے والوں سے الجھنے کا حق کسی کو نہیں۔ ان معترضین کو کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوبانِ بارگاہ کی سواریوں کی شان و عظمت کیا ہے، آیئے قرآنِ مجید سے معلوم کرتے ہیں، خالقِ کائنات جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ـ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ـ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ـ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ـ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ (العادیات:۱تا۵)

مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں، جب وہ پتھروں پہ قدم رکھتے ہیں تو چنگاریاں اڑاتے ہیں، جب شبنم سے تر زمین پر سم مارتے ہیں تو نیچے سے خشک مٹی اڑاتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے گھوڑوں، ان کے ہانپنے، ان کے سموں کے ذریعے اڑنے والی چنگاریوں اور گرد و غبار کی قسمیں اٹھائی ہیں۔

محبوبِ حقیقی نبی کریم ﷺ کی ذات ہے، صحابۂ کرام کو ان سے نسبت ہے، پھر گھوڑوں کو صحابۂ کرام سے، سموں، چنگاریوں اور گرد و غبار کو گھوڑوں سے، جب اللہ تعالیٰ اتنی دور کی نسبت رکھنے والی اشیاء کو پسند فرماتے ہوئے ان کی قسمیں اٹھا رہا ہے

تو پھر اس کی نظر میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کس شان کی حامل ہوگی؟

جس دراز گوش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کر کے حضرت حلیمہ روانہ ہوئیں، آتے ہوئے وہ انتہائی سست رفتار تھی اور پورا قافلہ اس کی وجہ سے پریشان تھا، واپسی پر اس کی رفتا رتھمتی ہی نہ تھی، قافلے کی عورتوں نے حضرت حلیمہ سے سوال کیا کہ کیا سواری تبدیل کر لی ہے؟ تو آپ نے فرمایا سواری تبدیل نہیں ہوئی سوار تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ دراز گوش جب کعبہ مشرفہ کے سامنے پہنچی تو تین دفعہ سر کو جھکا کر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ تو نے مجھے خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے منتخب فرمایا ہے۔[۱۵]

اہلِ ایمان کا معیارِ محبت و نفرت:

ہمارا عقیدہ اور نظریہ تو یہ ہے کہ معاملہ گدھی، اونٹنی یا کسی اور چیز کا نہیں، اصل معاملہ معرفتِ مصطفیٰ اور تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، گدھی بھی آپ کو پہچانے، آپ کی تعظیم کرے تو وہ بھی قابلِ محبت اور قابلِ تعظیم ہے اور سگا چچا نہ پہچان پائے اور تعظیم و توقیر نہ کرے تو وہ بھی جہنم کا ایندھن ہے اور قابلِ نفرت ہے۔

نبی کریم کا سگا چچا ادب و تعظیم سے خالی رہا تو ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ (اللھب:۳) کا انجام نصیب ہوا اور شہر مکہ کی وہ گلیاں جن کی مٹی نے قدمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوما اسے وہ عزت و کرامت نصیب ہوئی کہ شہر مکہ کی قسم اٹھانے کا سبب اللہ تعالیٰ نے اس کو قرار دیا اور فرمایا ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔﴾ (البلد:۲،۱) بلکہ میں کہوں گا کہ اس خاک مقدس نے تلووں کے بو۔ ے نہیں

لیے اور نہ ہی انہیں مس کیا، اس نے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کو چھوا، اس کو چوما تو اللہ تعالیٰ نے اس کی خاطر شہرِ مکہ کی قسم اٹھائی۔

شاید کوئی یہ کہے کہ یہ بات تم لوگوں کی خوش عقیدگی کی پیداوار ہے، یاد رکھیے یہ بات جو میں نے ابھی عرض کی یہ ہمارا خیال نہیں، ہماری سوچ اور فکر نہیں یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، آپ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی شان کس طرح بیان کروں اللہ تعالیٰ نے آپ کے نعلِ پاک سے لگنے والی مٹی کی قسم اٹھائی ہے۔

جو اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین پہ ظاہری حیاتِ طیبہ کی شکل میں گزارے ان سے بننے والی آپ کی ظاہری زندگی کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الحجر: ۷۲) آپ کے کلامِ پاک کی قسم اٹھائی ﴿وَقِيْلِهٖ يَا رَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الزخرف: ۸۸)، جب یہ ساری چیزیں محبوبِ پاک کی نسبت سے معزز و محترم ٹھہریں تو یقیناً وہ صبح جس میں یہ شمسِ نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں انوکھی شان کی مالک ہوگی اور اس کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب بن جائے گی۔

شبِ ولادت اور لیلۃ القدر......ایک موازنہ:

اہلِ محبت کا نظریہ یہ ہے کہ شبِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر جیسی ہزاروں راتوں سے افضل ہے، اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے صوفیاءِ کرام اور محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ قدر کی فضیلت کی وجوہ کو بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ بھی

بیان فرمائی کہ اس رات کو جبریلِ امین فرشتوں کی معیت میں زمین پر اترتے ہیں، اگر حضرت جبریل کے نزول کی وجہ سے ایک عام رات ہزاروں راتوں سے افضل و اعلیٰ قرار دی جا رہی ہے تو جس رات میں جبریلِ امین کے مخدوم، تمام جن و انس اور ملائکہ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے وہ رات یقیناً لیلۃ القدر جیسی ہزاروں راتوں سے افضل و اعلیٰ قرار دی جانی چاہیے۔[۱۶]

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

عرش است کمیں پایہ زایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امیں خادم و دربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عرشِ اعظم عظمتِ مصطفیٰ کے ایوانِ عالی شان کا ایک چھوٹا سا پایہ ہے اور جبریلِ امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور دربان ہیں۔ خادم اور دربان کے نزول کی رات ﴿خیر من الف شھر﴾ (القدر:۳) کے اعزاز سے مشرف ہو تو مخدومِ ہمہ مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی رات یقیناً اس جیسی ہزاروں راتوں سے زیادہ مبارک ہوگی۔

سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز ارشاد:

سیدنا امامِ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ۔ جو اہلِ سنت کے ائمۂ فقہ میں سے عظیم المرتبت امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جمعۃ المبارک کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے، اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان فرمائی کہ اس رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صلب سے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکمِ انور میں منتقل ہوا۔[۱۷]

مقامِ تفکر ہے کہ جس رات میں نورِ اقدس ایک پردے سے دوسرے پردے

میں منتقل ہوا وہ لیلۃ القدر سے افضل ہے تو جس رات میں وہ نورِ حق نما پردوں سے نکل کر چشمِ انسانیت کے سامنے جلوہ فگن ہو گیا اور تمام عالم کو مستنیر کرنے لگا اس رات کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا؟

مقامِ شبِ ولادت...... شیخ محقق کی نظر میں:

شیخِ محقق ، شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شب ولادت کی شب قدر پر افضلیت نقل فرما کر کہتے ہیں ﴿قد صرح به العلماء﴾ یہ صرف میرا نظریہ نہیں مجھ سے قبل بھی علماء اس کی تصریح کر چکے ہیں۔[۱۸]

کسی انعام پر خوشی منانے کے متعلق آپ سماعت فرما چکے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر سوموار کو روزہ رکھ کر خوشی کا اظہار کیا، حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو شبِ ولادت کی عظمتیں سمجھائیں اور اسے عبادت میں گزارنے کا حکم دیا، قرآن مجید کی آیاتِ بینات سے آپ نے ولادتِ عیسی علیہ السلام کے واقعات بھی سماعت فرمائے۔ آیئے اسی سلسلہ میں ایک اور حدیثِ پاک سے رہنمائی لیتے ہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام کو ملنے والے انعامات پر نبی کریم ﷺ کا اظہارِ مسرت:

نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ﴿فيه نجى الله موسى﴾ اللہ تعالی نے اس دن حضرت موسی علیہ السلام کو ان کے دشمن سے نجات عطا فرمائی ، وہ ہمارے آباء و

اجداد سمیت بحیرۂ قلزم سے بسلامت پار نکل گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرقاب ہوا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پر اور ہمارے آباء واجداد پر جو انعام واحسان فرمایا تھا ہم اس کے شکریے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔

ان کا یہ جواب سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿نحن احق بموسی منکم﴾ تمہاری بہ نسبت ہمارا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ اگر تم ان کے اس انعام کی خوشی میں روزہ رکھتے ہو تو ہم بھی روزہ رکھیں گے۔ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابۂ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

بعد میں صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اس طرح ہماری اور ان کی عبادت میں مشابہت ہو جائے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھتے ہیں تم دو دن روزہ رکھ لیا کرو۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قلبی تعلق اور محبت کا اظہار بھی ہو جائے اور یہودیوں سے امتیاز بھی حاصل ہو جائے۔[۱۹]

منکرین میلاد سے سوال یہ ہے کہ تم محبتِ مصطفیٰ کے دعوے دار ہو اور اس محبت میں ہم سے آگے ہونے کا دعوی کرتے ہو تو پھر چاہیے تو یہ تھا کہ اس محبت والے تعلق کی زیادتی کی بناء پر تم دو دن میلاد مناتے، تم نہ صرف یہ کہ اس کو ترک کرتے ہو بلکہ الٹا اس پر اعتراضات کا سلسلہ اپنائے ہوئے ہو اس کا مطلب اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ تم کسی طور بھی اپنا تعلق ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے ظاہر اور ثابت کرنے پر تیار نہیں، کیونکہ حدیثِ پاک نے ہمیں یہ ضابطہ دیا ہے کہ جس کو کسی سے جتنا تعلق زیادہ ہوتا ہے وہ اس کو ملنے والے انعامات کی خوشی اتنی زیادہ مناتا ہے، اور محبت کے مطابق اس

پر مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

فوائدِ حدیث:

اس حدیث میں چند امور قابلِ توجہ ہیں:

(۱) مدینہ کے یہودی جس انعام پر خوشی منا رہے تھے وہ انہیں حاصل نہیں ہوا تھا، بلکہ حقیقتاً وہ انعام ان کے آباء و اجداد کو ملا تھا ادھر نبی کریم ﷺ کی ولادتِ پاک وہ انعام ہے جس سے ہمارے مسلمان آباء بھی متمتع ہوئے، ہم بھی مستفید ہو رہے ہیں اور ہماری آنے والی مسلمان نسلیں بھی مستفید ہوں گی۔

(۲) وہ انعام مادی تھا، یہ روحانی ہے، اس انعام کی بدولت جان محفوظ ہوئی، یہ انعام جان، عزت، آبرو، ایمان اور قرآن کت حصول کا وسیلہ اور رحمان جل جلالہ کی معرفت اور وصل کا ذریعہ ہے۔

(۳) وہ انعام ایک معین وقت میں ملا یہ ابدی اور سرمدی انعام ہے، اور یہ حبیب وہ ہیں جنہوں نے قبر کی اندھیری کوٹھڑی اور محشر کی ہولنا کیوں میں بھی دست گیری فرمانی ہے۔

(۴) اس انعام پر شکر یہ وہ قوم ادا کر رہی ہے جس کا الھڑ پن، جس کی رذالت، بے حسی اور احسان فراموشی کا قرآن مجید گواہ ہے، جس نے ساری زندگی اپنے پیغمبر کو پریشان کیے رکھا اور مشکل حالات میں ساتھ چھوڑ کر پیغمبر کو اکیلا دشمن کی طرف بھیج دیا، دوسری طرف وہ امت ہے جو خیر الامم اور خاتم الامم کے معزز تاج سے

سرفراز کی گئی ہے تو لامحالہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم ترین انعام پر شکر بجالانا بہت زیادہ لازم اور ضروری ہے۔

(۵) سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے اس فعل کو تائیدِ نبوی حاصل ہوئی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کو دیکھ کر خاموشی ہی اختیار نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عمل فرمایا اور اہلِ اسلام کو بھی عمل کا پابند بنایا، بلکہ مشابہت والے وہم کو ایک اور روزہ رکھ کر دور کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس عمل کو ترک نہیں کیا۔

کیا اتنی تفصیل کے بعد بھی میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن منانے اور اس پر اظہارِ فرحت کرنے میں کسی کو کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ اور کسی مدعی اسلام کو اس پر اعتراض کا حق پہنچتا ہے؟

(ایک اعتراض) میلاد کا جشن کیوں...... وفات کا غم کیوں نہیں؟؟؟

جشنِ میلاد پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ تم میلاد کی خوشی مناتے ہو وفات کا غم کیوں نہیں مناتے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی مہینے میں وصال ہو گیا تو پھر ولادت کی خوشی منانے کا کیا جواز ہے؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر غم واندوہ اور رنج و الم کا اظہار کرنا چاہیے۔

پہلا جواب:

اس اعتراض کا جواب بھی اسی حدیث پاک نے فراہم کر دیا۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لائے اور یہودیوں سے آپ نے مذکور

ہ گفتگو فرمائی کیا حضرت موسی علیہ السلام اس وقت زندہ تھے؟ کیا مدینہ کے یہودیوں کے آباء واجداد جن کے بحیرۂ قلزم سے بچ کر نکل جانے کی خوشی وہ منا رہے تھے وہ زندہ تھے؟ یقیناً ایسا نہیں تھا بلکہ حضرت موسی علیہ السلام کے اس واقعے اور ہجرتِ مدینہ کے درمیان کم از کم ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ ہے، جب اتنا عرصہ پہلے اس انعام سے بہرہ ور ہونے والے حضرات وصال کر گئے تھے، اور منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیے گئے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کیوں نہ فرما دیا کہ جو مر گئے ان کی خوشی کیوں منا رہے ہو؟ اس پر روزہ کیوں رکھ رہے ہو؟ اگر یہ خدشہ کسی صحیح بنیاد پر پیدا ہوتا تو محبوبِ کریم ﷺ کے ذہنِ اقدس میں پیدا ہوتا، آپ کے ذہن میں یہ شبہ نہیں ابھرا اور نہ ہی آپ نے اس کا اظہار کیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ شیطانی وساوس اور ابلیسی دجل و فریب کا ایک کرشمہ ہے، اسلامی سوچ اور فکر کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نیز اگر بقولِ معترضین آپ ﷺ کے وصال پاک پر رنج والم کا اظہار ضروری ہے تو وہ عملی طور پر اس کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ صرف ہمیں مشورہ دینے پر کیوں اکتفاء کرتے ہیں، کیا انہیں آپ ﷺ کے وصال کا غم نہیں؟ اگر یہ لوگ ولادتِ پاک پر خوشی اور مسرت کا اظہار بھی نہ کریں اور وصال شریف پر رنج والم کا اظہار بھی نہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا انہوں نے نبی کریم ﷺ کو صرف ہمارا سمجھا ہے اپنا نہیں سمجھا اسی لیے خود کسی بھی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کرتے اور ہمیں مشورے دیتے رہتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ محرم الحرام میں جب شیعہ حضرات سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رنج والم کا اظہار کرتے ہیں تو یہی معترضین ان کے

اس فعل پر حرمت اور ناجائز ہونے کا فتوی لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ منانا شرعاً درست اور جائز نہیں، اور یہی لوگ ربیع الاول میں ہمیں یہ درس دیتے ہیں کہ تم سوگ مناؤ! ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر یہ کونسی شریعت ہے جو ایک ماہ گزرنے پر تبدیل ہو جاتی ہے؟

اس ضمن میں معترضین سے آخری گزارش یہ ہے کہ ہم ولادتِ پاک پر خوشی مناتے ہیں، تم وفات شریف پر غم منالیا کرو تاکہ کچھ تمہارا تعلق بھی آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ثابت ہو جائے اور آپس میں تقسیمِ کار بھی ہو جائے۔

دوسرا جواب، حدیثِ نبوی کی روشنی میں:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ربیع الاول شریف وصالِ نبوی کا مہینہ بھی ہے لہذا اس میں خوشی نہیں منانی چاہیے، غم منانا چاہیے، ان کی خدمت میں ایک حدیثِ پاک پیش کی جاتی ہے ممکن ہے حق تک ان کی رسائی ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے جمعۃ المبارک کے دن کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ﴾ ہفتے کے دنوں میں سے سب سے افضل دن جمعۃ المبارک کا دن ہے، اس کی وجہِ شرف اور سببِ فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿فیہ خلق آدم وفیہ قبض﴾ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کا وصال ہوا۔[۲۰]

فوائد حدیث:

سرکارِ دو عالم ﷺ نے جمعۃ المبارک کی فضیلتوں کو بیان کرتے ہوئے جہاں

تخلیقِ آدم اور ایجادِ آدم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے وہیں سببِ فضیلت کے طور پر ان کی وفات اور ان کے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا بھی ذکر کیا ہے، اگر ان لوگوں کا یہ کہنا برحق ہے کہ وصال کی وجہ سے وہ دن خوشی والا دن نہیں ہوسکتا تو پھر جمعہ کا دن منحوس ٹھہرنا چاہیے کہ اس میں خلیفۃ اللہ، روئے زمین پر اترنے والے اللہ کے دستِ قدرت کے اولین شہکار، حضرتِ آدم وصال فرما ہوے اور وہ ہستی اس دنیا سے اٹھی جس کے علم وعرفان کا مقابلہ فرشتے بھی نہ کر سکے، معلوم ہوا کہ یہ نظریہ اور عقیدہ اسلام کے منافی ہے کہ اللہ تعالی کے کسی محبوب بندے کے وصال کا دن مبارک ومحترم نہیں ہوتا، اس میں خوشی منانا درست نہیں، اللہ کے مقبول ومحبوب بندے جس دن دنیا کے جیل خانے سے رہائی پاکر، اوردار التکلیف سے انتقال کر کے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں وہ دن ان کے لیے عید کا دن قرار پاتا ہے اور وہ اس دن کو منحوس بنا کر نہیں جاتے برکتوں کی خیرات سے نواز کر اسے باقی دنوں سے ممتاز بنا کر جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿**یا معشر المسلمین هذا یوم جعله الله عیدا**﴾ ''اے مسلمانوں کی جماعت! یہ وہ دن ہے جس کو اللہ تعالی نے اہلِ اسلام کے لیے عید بنادیا ہے'' [۲۱]

نیز جب یہی جمعۃ المبارک کا دن جو تخلیقِ آدم کا دن ہے، وصالِ آدم کا بھی ہے اور بایں ہمہ وہ اہلِ اسلام کے لیے عید کا دن بھی ہے تو سیدِ عالم کی ولادتِ پاک کا مہینہ اہلِ ایمان کے لیے خوشی ومسرت کا مہینہ اور عید المیلاد کا مہینہ کیونکر نہیں ہوسکتا۔ جب کہ آپ کا وصال شریف دو ربیع الاول کو ہوا اور ولادتِ شریفہ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

چونکہ محبوبانِ بارگاہِ الوہیت کے لیے وصال کے لمحات، خوشی اور مسرت اور وصولِ انعام واکرام کے ہوتے ہیں، اوراسی خوشی اور مسرت کی بناء پر مقبولانِ بارگاہ کے وصال شریف کے ایام کو عرس سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا ہم اپنے غم کو بھلا کر ان کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ کریں گے اوراور خوشی میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔

ایک لطیف نکتہ:

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ آپ حضرات کے گوش گزار کرتا چلوں ۔ ربیع الاول شریف کے مہینے میں جس خوشی، مسرت وفرحت اور شادمانی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ صرف اس لیے نہیں کہ ایک مولود نے اس مہینے کی بارہ تاریخ کو دنیائے فانی میں قدم رکھا اور تریسٹھ سال بعد اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقاء کی طرف منتقل ہو گیا۔

اس خوشی ومسرت کا اعلیٰ ترین پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس دنیا میں قدم رکھا، آپ جلوہ افروز ہوئے تو اسی تشریف آوری اور جلوہ افروزی کی بدولت ظہورِ نبوت اور اعلانِ رسالت ہوا، ہمیں قرآن ملا، دینِ اسلام نصیب ہوا، ایمان وعرفان جیسا عظیم انعام موصول ہوا، ظلماتِ کفر سے نجات ملی، دوزخ کا ایندھن بننے سے نجات نصیب ہوئی، جنت کی ابدی راحتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع اور استحقاق حاصل ہوا۔

جب اس خوشی اور مسرت کا بلند ترین اور اعلیٰ ترین پہلو یہ ہے تو پھر جب تک یہ انعامات واکرامات حاصل رہیں گے اس ماہِ مقدس کا ہمارے لیے فرحت و شادمانیاور خوشی ومسرت کا موجب ہونا اور عید ہونا برقرار رہے گا۔ اور وہ انعامات و

اکرامات قیامِ قیامت تک دائم اور باقی ہیں، لہذا اس خوشی و مسرت اور فرحت و شادمانی کا اظہار بھی تا قیامِ قیامت انشاء اللہ دائم اور باقی رہے گا اور اہلِ اسلام و اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر اس کا شکر بجالاتے رہیں گے۔

لہذا ربیع الاول کے مہینے میں اگر چہ آپ ﷺ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے لیکن اس کے باوجود اس مہینے کی عظمتوں میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ عظمتیں بدستور اسے حاصل ہیں۔ اور اس میں اظہارِ فرحت کرنا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے جائز اور مستحسن امر ہے۔

معترضین کے اس اعتراض کا بنیادی سبب:

اس شک اور وہم کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مرنے اور انبیاء و اولیاء کے وصال کو ایک جیسا سمجھ لیا ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل جانے والے ہیں اور انہیں اپنے انجام تک کی خبر نہیں، جس کا مرنا اس طرح کا ہو اس کے مرنے میں واقعتاً کوئی مسرت کا پہلو نہیں ہو سکتا۔ لیکن محبوبانِ بارگاہ کے وصال کی کیفیات اس سے بہت مختلف ہوتی ہیں، آیئے وصالِ مقبولانِ خدا کی شان سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبانِ اقدس سے سنتے ہیں:

محبوبانِ بارگاہ کے وصال کی کیفیت اور عام لوگوں سے ان کا امتیاز:

محبوبِ کریم ﷺ نے فرمایا ﴿حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم﴾ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی۔ [۲۲]

حدیث پاک میں چونکہ حیرت اور استعجاب کا سامان تھا کہ وصالِ نبوی امت کے لیے کس طرح بہتر ہوسکتا ہے تو معلمِ حکمت نبی ﷺ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿تعرض علي اعمالكم فما وجدت من حسن حمدت الله عليه وما وجدت من سيئ استغفرت الله لكم﴾ تمہارے اعمال قبر میں مجھ پر پیش کیے جاتے رہیں گے، میں ان پر مطلع رہوں گا، اگر امت کے اعمالِ صالحہ دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالاؤں گا جس نے میری امت کو ان کی توفیق بخشی اور اگر افعالِ بد دیکھوں گا تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا اٹھا کر بخشش و مغفرت کا سوال کروں گا۔

نبی کریم ﷺ نے یہ درس نہیں دیا کہ اس دن میں غم اور سوگ منانا بلکہ اس کے بہتر ہونے کو بھی بیان فرمایا اور بہتر ہونے کی وجہ بھی بیان فرمادی۔

مسرت اور غم کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان فرمودہ ضابطہ:

اس مقام پر ایک شرعی ضابطہ عرض کیے دیتا ہوں، ہماری شریعت کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ خوشی والا دن لوٹ کر آئے تو خوشی منانا جائز ہے، لیکن غم والا دن پلٹ کر آئے تو سوگ اور غم منانا جائز نہیں۔

جس دن کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو، ہر سال اس دن پر سالگرہ منائی جاتی ہے ، کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو چشم وچراغ سے نوازا، آبادی اور رونق کا سامان عطا فرمایا، نسل کے جاری رہنے کا وسیلہ عطا فرمادیا، اگر اس انعام پر ہدیۂ تشکر پیش کرتے

ہوے فقراء، مساکین میں کھانا، کپڑے یا دیگر اشیاء تقسیم کی جائیں تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں بلکہ یہ بھی ایک مستحسن امر قرار پائے گا، لیکن سوگ شریعت میں تین دن سے زیادہ جائز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرتِ عبدالمطلب نے آٹھویں دن آپ کا عقیقہ کیا تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں خود ایک دفعہ پھر اپنا عقیقہ کیا، اور خوشی و مسرت کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دولتِ وجود سے نوازا ہے اگر بار بار اظہارِ مسرت جائز نہ ہوتا تو آپ اسی پہلے عقیقہ پر اکتفاء کرتے۔

امامِ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے دور میں بھی بعض لوگوں کو یہی خدشہ لاحق ہوا کہ اسی مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہوا ہے لہذا اس میں خوشی نہیں منانی چاہیے، تو امام جلال الدین سیوطی نے ان لوگوں کا رد کیا اور یہ شرعی قاعدہ اور ضابطہ نقل فرما کر ان کے اس شک وارتیاب کو دور فرما دیا۔[۲۳]

اکابرِ امت اور جشنِ میلاد:

علمائے کرام نے ہر دور میں میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز پر کتابیں لکھیں، رسائل تصنیف فرمائے، یا اپنی کتب میں اس موضوع پر اپنا نظریہ ظاہر فرمایا، چنانچہ ہر کسی نے اپنے خیال کے مطابق کسی نہ کسی دلیل سے استناد کرتے ہوے اسے جائز اور مستحسن قرار دیا۔

(۱) امام سیوطی علیہ الرحمہ نے میلادِ نبوی پر خوشی منانے کے مستحب

ہونے کی دلیل اس بات کو ٹھہرایا کہ آپ نے خود اپنا عقیقہ فرمایا، حالانکہ اس سے پہلے حضرت عبدالمطلب آپ کا عقیقہ کر چکے تھے تو آپ نے اظہارِ مسرت کا اعادہ کیا، اگر ہم بھی بار بار خوشی منائیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

(۲) امام ابنِ حجر عسقلانی نے نبی کریم کے ہر سوموار کو روزہ رکھنے والے فعل کو جوازِ فرحت و مسرت کی دلیل قرار دیا۔

ابولہب کا ولادتِ مصطفیٰ ﷺ پر اظہارِ مسرت اور اس پر انعامِ خداوندی:

(۳) امام محمد جزری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اسکی دلیل ابولہب کا وہ واقعہ ہے جو بخاری شریف میں منقول ہے، کہ بعد از وفات حضرت عباس نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیسی بیت رہی ہے؟ ابولہب نے جواب دیا کہ عذاب میں گرفتار ہوں، لیکن ہر سوموار کو مجھے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان والے حصے سے ٹھنڈا میٹھا پانی ملتا ہے جس کو پی لینے سے میں اگلے سوموار تک پیاس کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہوں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب میری لونڈی ثویبہ نے مجھے یہ خوش خبری دی کہ تیرے بھائی عبداللہ کا اجڑا گھر ایک دفعہ پھر بہار آشنا ہو گیا ہے، وہاں خوشیاں رقص کر رہیں، اور اس گھر میں ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے انگلی کے اشارے سے اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔ امام جزری نے اس واقعہ کو استحبابِ مسرت و فرحت کی دلیل ٹھہرایا۔ [۲٤]

مقامِ تدبر و تفکر:

تو قابلِ غور اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ ابولہب نے محض بھتیجا سمجھ کر ایک دفعہ خوشی منائی ، پھر ساری زندگی مخالفت اور گستاخیوں میں بسر کی ، تو جو کلمہ گو ، عاشقِ نبی مختار ، ساری زندگی ان کے میلاد پر انہیں اعلیٰ ترین نعمت ، اور سید الانبیاء سمجھتے ہوئے اظہارِ مسرت کرے ، اور تمام عمر ان کی محبت میں بسر کرے اللہ تعالیٰ اسے کس قدر انعام واکرام سے نوازے گا۔

شیخ محقق اس حدیث مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں ﴿ در ایں جا سند است مر اھلِ موالید را ﴾ اس حدیث پاک میں میلاد منانے والوں کے لیے واضح سند اور دلیل موجود ہے کہ جب کافر اس کام پر اجر سے محروم نہیں رہا تو مخلص مومن کیسے محروم رہے گا ؟ [۲۵]

جب اللہ تعالیٰ کسی سے دین لیتا ہے تو اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے ، بعض لوگ اس حدیثِ پاک کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ، ابولہب نے خوشی منائی تو میلاد منانا کافر کی سنت اور اس کا طریقہ ٹھہرا ، تو کیا تم ایک کافر کا طریقہ اپناتے ہو؟

اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ یہ خوشی کس نے منائی ، یہ دیکھتے ہیں کہ اس پر انعام دینے والا کون ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ کام پسند نہ ہوتا تو اس پر اتنا بڑا اجر عطا نہ فرماتا ، اجر وثواب پسندیدہ کاموں پر ملتا ہے ، جب کافر کی طرف سے سرزد ہونے والی یہ خوشی اجر وثواب کی موجب ہے تو مومن کے لیے بھی اس کا اہتمام باعثِ اجر وثواب ہو جائے گا۔

نیز یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر ابولہب کافر ہو کر خوشی منا رہا ہے خواہ بھتیجا سمجھ

کر اور ہم خوشی نہ منائیں اور کوئی پہلو مسرت اور فرحت کا ہمارے سامنے نہ آئے تو اس کا یہ ردِ عمل اور تاثر بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم ابولہب سے بھی گئے گزرے ہیں نعوذ باللہ منہ۔

اظہارِ مسرت کے منصوص طریقے:

یہاں تک جو گفتگو ہوئی اس میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانے کے کئی طریقے قرآن وسنت کی روشنی میں آپ کے سامنے بیان کیے گئے:

(۱) روزہ رکھ کر خوشی منانا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ہر سوموار کو روزہ رکھ کر خوشی منائی۔

(۲) صدقہ وخیرات کر کے جیسے ابولہب نے صدقہ کیا اور لونڈی کو آزاد کر دیا۔

(۳) محفل سجا کر اور لوگوں کو اکھٹا کر کے واقعاتِ ولادت بیان کر کے خوشی منانا، جیسے نبی کریم ﷺ نے خود صحابہ کے سامنے اپنی ولادت کے متعلق بیان فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا

"وہ جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے بہت زور آور ہے میں تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کی جوتی کے تسمے کھول سکوں"

(۴) میلاد کی رات کو بیدار رہ کر نوافل کی ادائیگی کر کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو تلقین فرمائی۔

اس کے علاوہ خوشی کے دیگر طریقے مثلاً جلوس نکالنا، عمدہ کپڑے پہن کر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے گلیوں، بازاروں میں نکلنا، عظمتِ رسالت کے نعرے بلند

کرتے ہوئے باہر نکلنا، نعتیں پڑھنا یہ سب امور بھی صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔

آمدِ محبوب ﷺ پر اہلِ مدینہ کا اظہارِ مسرت:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ شریف پہنچے تو اہلِ مدینہ نے خوشی منائی، اس خوشی کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ مرد اور عورتیں چھتوں پہ چڑھ گئے، بچے اور جوان گلیوں میں نکل آئے اور ان کی زبان پر یہ کلمات تھے ﴿یا محمد یا رسول الله ،یا محمد یا رسول الله ﴾ اس حدیث پاک نے واضح کر دیا کہ عورتوں مردوں کا اس طرح کے موقع پر چھتوں پہ آنا، بچوں کا گلیوں میں نکلنا، یارسول اللہ کے نعرے بلند کرنا یہ مہاجرین و انصار کا اجماعی فعل ہے اور اسے صرف اجماع کی تائید حاصل نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے خاموش رہ کر اور اس پر کوئی روک ٹوک نہ فرما کر اسے اپنی تائید سے بھی نواز دیا ہے۔[٢٦]

اہلِ مدینہ نے خوشی اس بناء پر منائی تھی کہ محبوب کریم ﷺ نے انہیں شرفِ میزبانی بخشا اور ان کے شہر میں تشریف لائے، ہم اس لیے خوشی مناتے ہیں کہ آپ ﷺ اس دنیا میں جلوہ فرما ہوئے، کفر و شرک سے آلودہ معاشرے کو نورِ ایمان اور نورِ توحید و رسالت سے مزکی و مصفی فرمایا، جو جہنم کا ایندھن بننے کے مستحق ہو چکے تھے انہیں جنت کا وارث بنایا، اور انسان نما بھیڑیوں کو شرف انسانی سے ہم کنار کیا بلکہ وہ اوج اور عظمت عطا فرمائی کہ آج فرشتے بھی ان کی گردِ راہ کو دیکھ رہے ہیں۔

جشنِ میلاد ناجائز......صد سالہ جشنِ دیوبند جائز؟؟؟

جو لوگ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن کو ناجائز کہتے نہیں تھکتے مقامِ افسوس ہے کہ یہی لوگ صدر ضیاء الحق کے دور میں اس کے حکم پر مختلف جشنوں میں شریک ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظروں میں معاذ اللہ اس کا مرتبہ نبی الانبیاء سے بھی بڑا ہے کہ جو کام ان کے کرنے سے بھی ان کے نزدیک جائز نہیں قرار پایا وہ اس کے ایک حکم پر جائز ہو گیا۔

یہی منکرین میلاد دار العلوم دیوبند کا صد سالہ جشن منا چکے ہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ دار العلوم دیوبند اس قابل کیوں ٹھہرا کہ اس کی تاسیس کے سو سال پورے ہونے پر جشن منایا جائے؟ اسی لیے کہ اس میں تمہارے بقول قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور دیگر دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ علماء اور فضلاء تیار ہوتے ہیں۔ اگر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو دین کہاں سے ملتا، قرآن کیسے وصول ہوتا، فقہ وعقائد اور حدیث و تفسیر کی دولت کیسے ہاتھ آتی، جس کی بدولت یہ ساری نعمتیں ہاتھ آئیں، جس کا میلادِ پاک ان تمام نعمتوں کی اصل اور بنیاد ہے اگر اس کا جشن ناجائز ہے تو پھر دار العلوم دیوبند کا جشن منانے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟

علمائے دیوبند کی انوکھی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ منطق آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ حدیث سے تو پیار جتلایا جائے، قرآن کی محبت اور خدمت کا دعویٰ کیا جائے لیکن جس نے قرآن دیا، جس کے فرمان احادیث کہلاتے ہیں اس سے بغض اور عداوت رکھی جائے۔

سلانوالی (ضلع سرگودھا) میں ایک دفعہ ان لوگوں کا ایک اجتماع منعقد ہوا

،ان کے علماء آ رہے تھے،ان کے استقبال میں نعرے لگائے جا رہے تھے،ان میں سے ایک نعرہ یہ بھی تھا ﴿تاج وتختِ ختم نبوت،زندہ باد﴾۔ایک صحیح العقیدہ سنی نے سوچا کہ نعرۂ رسالت کیوں بلند نہیں کیا جارہا اس نے نعرۂ رسالت لگایا تو ان بدبختوں کے پورے مجمع نے (معاذ اللہ) مردہ باد کہہ کر اس کا جواب دیا،میں نے ان کے وہاں کے پیشوا حکیم شریف الدین کو خط لکھا اور اس بدتمیزی اور بے ادبی کے بارے میں استفسار کیا،اس نے جواب دیا کہ بچوں نے کہہ دیا ہوگا،میں نے جواب بھیجا کہ ہمارے بچے اس طرح کیوں نہیں کہتے،معلوم ہوا کہ بڑوں نے ان بچوں کو یہی سبق پڑھایا ہے جسے وہ دہرا رہے تھے۔

یہ ان لوگوں کی محبتِ رسول ہے کہ تاج وتختِ ختمِ نبوت کے نعرے لگائے جا رہے ہیں لیکن جس کے سر پر وہ تاج موجود ہے اس سے بغض اور عداوت کا اظہار کیا جارہا ہے۔

عہدِ حاضر کے دیوبندی علماء اور محافلِ میلاد:

منکرینِ میلاد ہر سال ربوہ میں جو قادیانیوں کا مرکز ہے جشنِ میلاد پورے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں،اشتہار چھپتے ہیں،دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں،دیگر انتظامات کیے جاتے ہیں،ہمارے ایک فاضل دوست نے ان سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے وہی کام جو دریائے چناب کے مشرقی شہر چنیوٹ میں بدعت اور حرام ہے وہ مغربی کنارے پر واقع شہر ربوہ میں جائز کیسے ہوگیا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک کام دریا کے

ایک کنارے ''ثوابِ دارین'' کا باعث ہو اور دوسرے کنارے پر ''عذابِ دارین'' کا ذریعہ بن جائے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چوں کہ وہاں قادیانی رہتے ہیں اور وہ اس سے جلتے ہیں لہذا وہاں جشنِ میلاد منانا جائز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ تم نے خود ضابطہ بیان کر دیا کہ جہاں کوئی اس سے جلنے والا ہو وہاں منانا جائز اور کارِ ثواب ہوتا ہے، تو اسی قاعدے کی رو سے ہم کہتے ہیں کہ ربوہ میں قادیانیوں کو جلانے کے لیے تمہارا جشن میلاد منانا جائز ہے تو باقی علاقوں میں تمہیں جلانے کے لیے ہمارا میلاد منانا بھی جائز ہوگا۔

ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی منکرین کے پیشوا خود جلوس نکالتے ہیں اور چونکہ وہاں جلوس نکالنے پر حکومتی امداد ملتی ہے اس لیے مفتی محمود صاحب نے میلاد شریف کے جلوس کا لائسنس اپنے نام جاری کروا رکھا تھا جو اب ان کے بیٹے مولوی فضل الرحمٰن کے نام ہے، معلوم ہوا جہاں مالی منفعت ہو وہاں سب کچھ جائز سمجھ لیتے ہیں اور جہاں کوئی ایسا فائدہ نظر نہ آئے وہاں شرک اور بدعت کے فتوے جاری کر دیے جاتے ہیں۔

محافلِ میلاد کے انعقاد کی پاکیزہ غرض وغایت:

کسی بھی کام کو کرتے ہوئے اس کے اغراض و مقاصد پیشِ نظر رہنے چاہییں تاکہ یہ جائزہ لیا جا سکے کہ اس سے مطلوبہ اغراض و مقاصد حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں نیز اس سے اس کام کی اہمیت بھی واضح ہو جائے کیونکہ جس قدر کسی کام کی غرض اعلیٰ ہوگی اسی قدر وہ عظمتوں اور رفعتوں کا حامل ہوگا۔

گفتگو کے اختتام پر محافلِ میلاد کے انعقاد اور واقعاتِ میلاد کے بیان کی غرض وغایت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، محفلِ میلاد میں ولادت کے واقعات بیان کرنے کا مقصد لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ جس نبی کا بچپن اتنا عظمتوں اور رفعتوں والا ہے اس کی جوانی اور اور اس کے عروج کا عالم کیا ہوگا، ان محافل میں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مختلف پہلو بیان کیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور احترام کا نقش مزید گہرا ہو، اس لیے کہ جب تک کسی ذات کا ادب واحترام اور اس کی تعظیم وتکریم موجود نہ ہو اس کی لائی ہوئی شریعت، اس کے بیان کردہ دستورِ عمل اس کی پیش کی ہوئی دعوت اور اس کے عطا فرمودہ لائحۂ عمل سے محبت نہیں ہو سکتی۔ جب دنیا کے سامنے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور کمالاتِ نبوت و رسالت بیان نہ کیے جائیں، مقامِ نبوت ورسالت کی عظمت سے آگاہ نہ کیا جائے ان سے ادبِ نبوت اور اتباعِ محبوبِ کریم ﷺ کی توقع رکھنا بے سود ہے گویا یہ محافل انسانیت کو اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ کے رستے پر گام زن کرنے کے لیے ایک اہم کردار ادا کر رہی ہیں جو کسی اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مقدس محافل کے منکرین اور معاندین کو راہِ ہدایت سے ہم کنار کرے، اور تمام کلمہ پڑھنے والوں کو محبتِ رسول کی چاشنی اور عشقِ رسول ﷺ کی تڑپ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) امر کے معانی کی تفصیل

الاحکام فی الاحکام للآمدی: الباب الاول ۱/۳۵۶

(۲) امر کے اباحت کے لیے ہونے کا قاعدہ

الاحکام فی الاحکام للآمدی ۱/۳۶۲

(۳) نبی کریم ﷺ کے نور پاک کی سب سے پہلے تخلیق

مدارج ۲/۲، ۱/۲

(۴) علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان کا فرمان

امام مذکور ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ﴾ (الانفال:۳۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿قال حضرة الشيخ الشهير بافتاده قدس سره :جميع الانتظام بوجوده الشريف ﷺ فانه مظهر الذات وطلسم العوالم حتى قيل فى وجه عدم ارتحال جسده الشريف من الدنيا مع ان عيسى عليه الصلاة والسلام قد عرج الى السماء بجسده انه انما بقى جسمه الطاهر ﷺ هنا لاصلاح عالم الاجساد وانتظامه﴾

(جواهر البحار ۲/۲۹۷)

''حضرت شیخ افتادہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس جہان کا سارا انتظام آپ ﷺ کے وجود پاک کی بدولت ہی قائم ہے، آپ ﷺ مظہر ذاتِ خدا اور تمام جہانوں کے وجود اور بقاء کا راز ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے آپ کے جسدِ اقدس کے اس دنیا سے آسمانوں کی طرف بلند نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسدِ اقدس کو اٹھایا گیا

لیکن آپ کا جسمِ پاک اس لیے یہاں باقی رکھا گیا کہ عالمِ اجساد کا انتظام اصلاح پذیر رہے"

(۵) نواب صدیق حسن خان اور میلادِ رسول ﷺ

الشمامة العنبرية ص:۱۲ بحوالہ "انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین" از اشرف العلماء زید مجدہ ص:۴۸

(۶) نبی کریم ﷺ اور سوموار کا روزہ

اس حدیث پاک کے راوی حضرت ابوقتادۃ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، اور اسے متعدد محدثین نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے:

صحیح مسلم :الصیام:۱۹۷۷، ۱۹۷۸/ ابو داؤد: الصوم:۲۰۷۱/ مسند احمد: باقی مسند الانصار: ۲۱۴۹۸، ۲۱۵۰۱، ۲۱۵۰۸

(۷) شب میلاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر میں:

انجیل برنباس فصل ۸۳ ص ۱۲۵ بحوالہ انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین ص ۴۵

(۸) نبی کریم ﷺ کے بچپن اور جوانی کے کمالات بزبانِ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل برنباس فصل ۷۲ ص ۱۱۰ بحوالہ انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین ص ۴۳

(۹) امام صاوی مالکی کا فرمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے بارے میں

(۱۰) عیسیٰ علیہ السلام کی شانِ مسیحائی قرآن مجید کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کی حکایت اس طرح فرمائی ہے ﴿اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَہَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ﴾ (آل عمران:۴۹)

"میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا

ہوں تو وہ فوراً اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتی ہے، اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو"

(المائدۃ:۱۱۰) میں بھی آپ کے ان کمالات کا ذکر ہے۔

(۱۱)　<u>ولادتِ پاک پہ ظاہر ہونے والے انقلابات</u>

شیخ محقق فرماتے ہیں:

﴿و آیات و کرامات که در ولادتِ آں حضرت ﷺ ظاهر شده زیاده بر آنست که در حد و حصر و احصاء در آید و آنچه مذکور شد پارهٔ ازاں است و اشهر و ابهر و اعجب آں جنبیدن و لرزیدن ایوانِ کسری و افتادن چهارده کنگره اوست...... و ازاں جمله خشك شدن دریاچهٔ ساوه و فرو رفتنِ آبِ او ستدر زمین وروان شدن رود خانه که آنرا ودیٔ سماوه گویند و پیش ازاں بهزار سال منقطع شده بود و مردن آتش کدهٔ فارسیاں که تا هزار سال گرم بود......و ازاں جمله افتادنِ بتان برو بود و نگوں سار شدنِ ایشاں﴾　(مدارج النبوت ۲/۱۸،۱۷)

"نبی کریم ﷺ کی ولادتِ پاک جو نشانیاں اور کرامتیں ظاہر ہوئیں وہ حد اور شمار سے زیادہ ہیں، کتبِ سیرت میں جو کمالات ذکر کیے جاتے ہیں وہ حقیقی کمالات کا ایک حصہ ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ واضح اور مشہور کمال ایوانِ کسریٰ کا جنبش کرنا اور اس پر لرزہ طاری ہو جانا اور اس کے چودہ کنگروں کا گر جانا ہے۔ انہیں کمالات میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا اور اس کے پانی کا زمین میں چلا جانا اور وادیٔ سماوہ والی ندی کا جاری ہو جانا جو ہزار سال سے خشک تھی، فارسیوں کے آتش کدہ کا ٹھنڈا ہو جانا جو ہزار سال سے گرم تھا، اور بتوں کا منہ کے بل زمین پر گر جانا ہے"

(۱۲) بوقتِ پیدائش سجدہ ریزی

شیخ محقق، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا فرمان نقل فرماتے ہیں:

﴿وزائیدم محمد ﷺ را پس دیدم اورا در سجدہ بر داشتہ ہر دو انگشت مسبحہ را بسوئے آسمان مانند متضرع مبتھل﴾ (مدارج النبوت ۲/۱۶)

''میں نے محمد ﷺ کو جنم دیا تو میں انہیں شہادت کی دونوں انگلیاں آسمان کی طرف اٹھا کر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا جیسے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرنے والا کرتا ہے''

(۱۳) فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ﴿ساخبر کم باول امری﴾

جواہر البحار ۳/ ۴۱۸ بحوالہ امام سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ

(۱۴) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ﴿قد خرج منی نور﴾

جواہر البحار ۳/ ۴۱۸،،،،، مدارج النبوت ۲/ ۱۶

(۱۵) دراز گوش کا سواریٔ مصطفیٰ ﷺ بننے پر سجدۂ شکر

مدارج النبوت میں شیخ محقق، حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان نقل کرتے ہیں:

﴿و سوار شدم دراز گوشِ خود راو گرفتم محمد ﷺ را پیشِ خود و چست و چالاک شد دراز گوشِ من و بلند بر کشید گردنِ خود را و می رفت وچوں بکعبہ رسید سجدہ کردسہ سجدہ و برداشت سرِ خود را بسوئے آسمان و رواں شد﴾ (مدارج النبوت ۲/ ۲۰)

''میں اپنے دراز گوش پر سوار ہوئی اور محمد ﷺ کے اپنے سامنے بٹھالیا، دراز گوش یک دم چست اور چالاک ہو گئی اور چل پڑی، جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچی تو تین دفعہ سجدہ کیا، سر آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر آگے چل پڑی''

(۱۶) شبِ ولادت کی فضیلت، علمائے محققین کی نظر میں

اس موضوع پر تفصیلی کلام کے لیے ملاحظہ ہو:

مدارج النبوت ۲/۱۳،،،،، جواہر البحار جلد ثالث

(۱۷) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں شب ولادت کا مقام

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿بدانکہ استقرار نطفۂ زکیہ مصطفویہ و ایداعِ درۂ محمدیہ در صدفِ بطنِ آمنہ رضی اللہ عنہا در ایامِ حج بر قولِ اصح در اوسطِ ایام تشریق شبِ ضمعہ بود ازیں جہت امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعۃ را فاضل تر از لیلۃ القدر داشتہ﴾ (مدارج النبوت ۲/۱۳)

''جان لے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہرِ اقدس کا استقرار اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس میں اس گرانمایہ موتی کا ودیعت رکھا جانا اصح قول کے مطابق حج کے دنوں میں ایامِ تشریق کے درمیان والے دن جمعۃ المبارک کی رات میں میں وقوع پذیر ہوا اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جمعۃ کی رات کو لیلۃ القدر سے افضل سمجھتے ہیں''

(۱۸) شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل کا مذہب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿واگر بھمیں جہت شبِ میلاد را افضل از شب، قدر می دارند نیز می سزد وقد صرح بہ العلماء رحمھم اللہ﴾ (مدارج النبوت ۲/۱۳)

''اگر اسی دلیل کی بنیاد پر شبِ میلاد کو لیلۃ القدر سے افضل قرار دیا جائے تو زیب دیتا ہے اور بہت سے علماء نے اس کی تصریح بھی کی ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے''

(۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے انعام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار مسرت

احادث میں اس دن کو مختلف القاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں ﴿یوم صالح﴾ کہیں

﴿نصومه تعظیما له﴾ کہیں ﴿یوم عظیم﴾ اور کہیں ﴿صامه موسی شکرا﴾ کے الفاظ ہیں۔ اس سب الفاظ سے اس طرح کے دنوں کی انفرادی شان اور عظمت اجاگر ہو رہی ہے؛

صحیح بخاری: الصوم: ۱۸۶۵/ صحیح مسلم: الصیام: ۱۹۱۰، ۱۹۱۱/ ابو داؤد: الصوم: ۲۰۸۸ / ابنِ ماجہ: الصیام: ۱۷۲۴/ مسندِ احمد: مسند بنی ہاشم: ۱۸۶۹

(۲۰) جمعۃ المبارک کی فضیلت حدیث مبارکہ کی روشنی میں

صحیح مسلم: الجمعۃ: ۱۴۱۰، ۱۴۱۱/ ترمذی: الجمعۃ: ۴۵۰، ۴۵۱/ نسائی: الجمعۃ: ۱۳۵۷/ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۹۰۴۱۰/ ابوداؤد: الصلاۃ: ۸۸۶

(۲۱) فرمان مصطفیٰ ﷺ ﴿یا معشر المسلمین هذا یوم جعله الله عیدا﴾

مکمل حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

عن ابن السباق ان رسول الله ﷺ قال فی جمعة من الجمع یا معشر المسلمین ان هذا یوم جعله الله عیدا فاغتسلوا ومن کان عنده طیب فلا یضره ان یمس منه وعلیکم بالسواك

"نبی کریم ﷺ نے ایک جمعۃ المبارک کے موقع پر ارشاد فرمایا: اے گروہِ مسلماناں! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کا دن بنایا ہے، لہٰذا اس دن غسل کرو، جس کے پاس خوشبو ہو وہ خوشبو لگائے اس میں کوئی حرج نہیں اور مسواک کو لازم پکڑو!"

موطا امام مالک: الطہارۃ: ۱۳۱

اسی عنوان کی ایک روایت جس میں جمعہ کے عید ہونے کو بیان کیا گیا ہے اس کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری: الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۶۷۲۶

(۲۲) ﴿حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم﴾

الجامع الصغیر: ۳۷۷۰، ۳۷۷۱/ کشف الخفاء: ۱۱۷۶/ دیلمی/ فتاوی ابنِ حجر ہیثمی

(۲۳) خوشی اور غم کے متعلق امام سیوطی ﷫ کا نقل فرمودہ ضابطہ

(۲۴) اکابر امت اور جشنِ میلاد

اشرف العلماء زید مجدہ نے یہاں یہاں تین ائمۂ کرام کا ذکر فرمایا ہے، امام ابنِ حجر عسقلانی، امام سیوطی، امام محمد جزری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان تینوں اساطین کے اقوالِ مبارکہ اور جوازِ میلاد پر ان کے استدلالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

الاعلام بفتاوی ائمة الاسلام حول مولده عليه الصلاة والسلام ص ۱۲ تا ۲۵

یہ کتاب عالمِ عرب کے مشہور عالم، سید محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمہ نے ترتیب دی ہے اور ۱۴۲۶ھ میں دار الکتب العلمیہ بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

(۲۵) شیخ محقق کا فرمان ﴿و دریں جا سند است مر اھلِ موالید را﴾

شیخ محقق علیہ الرحمۃ ابولہب کو انعام ملنے والا واقعہ نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

و دریں جا سند است مر اھلِ موالید را کہ در شبِ میلادِ آں حضرت ﷺ سرور کنند و بذلِ اموال نمایند یعنی ابو لھب کہ کافر بود و قرآن بمذمتِ وے نازل شدہ چوں بسرورِ میلادِ آں حضرت ﷺ و بذل شیر جاریہ وے بجھتِ آں حضرت ﷺ جزاء دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است بمحبت و سرور و بذل مال در وے چہ باشد و لیکن باید کہ از بدعتھا کہ عوام احداث کردہ اند از تغنی و آلات محرمہ و منکرات خالی باشد تا موجب حرمان از طریقۂ اتباع نگردد

(مدارج النبوت ۲/۱۹)

"اس واقعے میں میلاد منانے والوں کے لیے سند ہے جو میلاد شریف کی رات کو خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں، ابولہب جو کافر تھا اور جس کی مذمت میں قرآن مجید

کی آیات نازل ہوئیں اگر محبوبِ کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے اور اپنی لونڈی کا دودھ آں حضرت ﷺ کے لیے خرچ کرنے کی بناء پر اسے اجر دیا جا رہا ہے تو وہ مسلمان جو محبت اور خوشی سے معمور ہے اور مال خرچ کرتا ہے اسے کس قدر اجر عطا ہوگا۔ لیکن اس معاملے میں ان بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے جو عوام نے گھڑ لی ہیں، جیسا کہ گانا بجانا اور آلاتِ موسیقی کا استعمال کرنا، اس طرح کے حرام کاموں سے بچنا ضروری ہے تا کہ اتباعِ سنت سے محروم نہ رہے"

(۲۶)　آمدِ محبوب ﷺ پر اہلِ مدینہ کا اظہارِ مسرت

اس موقع پر اہلِ مدینہ نے جس خوشی کا اظہار کیا اسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے یہ الفاظ ان سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کیے ہیں:

﴿صعد الرجال والنساء فوق البيوت وتفرق الغلمان والخدم في الطرق ينادون يا محمد يا رسول الله يا محمد يا رسول الله﴾ (صحیح مسلم :الزہد والرقائق:۵۳۲۹)

"مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام راستوں میں نکل پڑے، سب لوگ پکار رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ"

مکانۃ حبیب الخلاق فی ضوء آیۃ المیثاق

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

آیتِ میثاق کی روشنی میں

افادات
اشرف العلماء شیخ الحدیث
علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی

ترتیب و حواشی:
محمد سہیل احمد سیالوی
محمد شعیب حسن سیالوی

بزمِ شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

	علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ	
	وسعتِ علومِ مصطفیٰ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان	
	کتبِ سابقہ اور علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم.....حدیث کی روشنی میں	
	کتبِ سابقہ کے متعلق علمِ مصطفیٰ.....قرآنِ مجید کی روشنی میں	
	کتبِ سابقہ کے رازدان صلی اللہ علیہ وسلم	
	آیتِ کریمہ ﴿یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب﴾ کا شانِ نزول	
	دنیوی زندگی میں انبیائے کرام کی طرف سے کمالاتِ مصطفویہ کا اعتراف	
	شبِ ولادت کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان	
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے حاصل ہونے والے فوائد	
	شبِ ولادت، امامِ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں	
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات	

	(سوال و جواب) بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہنے کی تحقیق	
	وفاتِ انبیائے کرام کی کیفیت اور عام لوگوں کی وفات سے اس کا امتیاز	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکانة حبیب الخلّاق فی ضوء آیة المیثاق

مقامِ مصطفیٰ ﷺ

آیتِ میثاق کی روشنی میں

افادات: اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

ترتیب وتدوین وتخریج وحواشی: محمد سہیل احمد سیالوی، محمد شعیب حسن سیالوی

نحمده ونصلى على رسوله الكريم وعلى آله الطيبين الطاهرين وأصحابه الكاملين الواصلين والتابعين لهم بالاحسان الى يوم الدين ـ أما بعد فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (آل عمران: ۸۱) صدق الله مولانا العظيم ـ

واجب الاحترام بزرگو اور بھائیو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوبِ کریم ﷺ کو بہت سے ایسے خصائص اور انفرادی کمالات عطا فرمائے جو کسی اور پیغمبر کو بھی عطا نہیں کیے، انہی خصائص میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ اللہ تعالی نے عالمِ ارواح میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح کو اکھٹا فرما کر ان سے محبوبِ کریم ﷺ کے بارے میں ایک خاص عہد و پیمان لیا۔

تلاوت کردہ آیتِ مقدسہ میں اللہ تعالی نے اسی عظیم الشان اجتماع اور فقید المثال جلسے کی روئیداد کو بیان فرمایا ہے۔ یہ اجتماع عالمِ ارواح میں منعقد ہوا، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کو مدعو کیا گیا، محبوبِ کریم ﷺ کو مہمانِ خصوصی کی مسند پر متمکن کیا گیا اور خود اللہ تبارک و تعالی نے انبیائے کرام کے سامنے اپنے محبوب، میرے اور آپ کے آقا و مولا ﷺ کی عظمتِ شان اور رفعتِ مراتب کو نرالے اور انوکھے انداز میں بیان فرمایا۔

آیتِ مبارکہ کے آغاز کا خوبصورت انداز:

اللہ تعالی نے اس آیتِ مبارکہ کی ابتداء لفظ ﴿اذ﴾ کے ساتھ کی ہے۔ جس کا معنی بیان کرتے ہوئے مفسرین کرتے ہیں ﴿اذکر یا محمد﴾ ''اے محمد! اس وقت کو یاد کیجیے'' [۱]

یاددہانی اسی چیز کے متعلق ہوتی ہے جو پہلے دیکھی بھالی ہو، جس کی جانچ پرکھ کی جا چکی ہو، اَن دیکھی چیز کے متعلق اس طرح کا اسلوب اختیار نہیں کیا جاتا، یہ الفاظ اور یہ حسین انداز بتا رہا ہے کہ محبوبِ کریم ﷺ کو مسندِ شرف پر بٹھا کر اللہ تعالی نے ارواحِ انبیاء سے یہ عہد و پیمان لینا شروع کیا۔ اور جب یہ عہد و پیمان لیا جا رہا تھا محبوب کریم ﷺ کی روح اقدس اس وقت وہاں موجود تھی۔

آیتِ مبارکہ کا توضیحی ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے گروہِ انبیاء! جب تم دنیا میں جاؤ، میں تمہیں خلعت نبوت ورسالت سے آراستہ وپیراستہ کر کے دنیا میں بھیجوں، تمہیں کتابیں اور صحیفے عطا فرماؤں، تمام کائنات کو تمہارے زیر فرمان کر دوں، جنات، انسان، چرند، پرند، درند ہر چیز تمہارے تابع فرمان ہو جائے، تمہاری سلطنت وحکومت اور تاج وتخت کے ڈنکے ہر طرف بجنے لگیں، تمہارے تخت ہواؤں پر اڑنے لگیں، خود ہوائیں تمہارے زیر فرمان ہو جائیں، عین اس حالت میں اگر یہ رسول تشریف لے آئیں جو تمہاری طرف نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں، تو تم اپنے نبوت ورسالت کے دعووں کو ترک کر کے، اپنی بادشاہتوں اور حکومتوں سے دست بردار ہو کر ان پر ایمان بھی لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کے دین کے خادم اور سپاہی بھی بنو گے۔

عالم اجسام کی بجائے عالمِ ارواح میں عہد لینے کی حکمت:

یوں بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ عہد وپیمان عالمِ اجسام میں لے لیتا، اس کے لیے عالمِ ارواح کا انتخاب کیوں کیا گیا؟

اس کی حکمت یہ ہے کہ عالمِ ارواح میں عہد لینے سے روزِ اول سے ہی سب پر یہ بات عیاں ہو جائے اور سب کے ذہنوں میں یہ فکر راسخ ہو جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خلیفۂ مطلق اور اصلی نبی ورسول صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، باقی انبیائے

کرام کو ان کی نیابت وخلافت میں اس منصب پر فائز کیا جا رہا ہے، اور قائم مقام اسی وقت تک فرائض سر انجام دیتا ہے جب تک اصل ہستی تشریف نہ لائے، چوں آب آمد تیمّم برخاست، جب اصل ہستی تشریف لے آئے گی تو کسی کے لیے دعویٰ نبوت جائز نہ ہوگا بلکہ سب انبیائے کرام پر لازم اور فرض ہوگا کہ وہ آپ ﷺ کی غلامی اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے دین کی خدمت کے لیے وقف کردیں۔

بلاتشبیہ وتمثیل اس کو یوں سمجھیے کہ کسی مسجد کے امام یا خطیب حج وزیارت کے لیے چلے جائیں، یا خدانخواستہ بیمار ہو جائیں، اور اہلِ محلّہ عارضی طور پر کسی کو امام یا خطیب مقرر کرلیں، تو وہ عارضی خطیب شروع سے ہی اپنے آپ کو عارضی سمجھے گا، انبیائے کرام سے روزِ اول ہی یہ عہد وپیمان لے لیا گیا تاکہ ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ جب یہ تشریف لے آئیں گے تو ہماری نبوت ورسالت کا دورانیہ ختم ہو جائے گا۔

اممِ سابقہ کی اس میثاق میں شمولیت......اقوالِ صحابہ کی نظر میں:

مفسرینِ کرام نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں یہ وضاحت فرمائی کہ یہ عہد وپیمان صرف انبیائے کرام علیہم السلام سے نہیں لیا گیا بلکہ ہر نبی نے اپنی امت سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہی عہد وپیمان لیا۔ اس ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں:

﴿ان اللہ تعالی لم یبعث نبیا الا اخذ علیه العهدفی محمد ﷺ لئن بعث وهو حی لیؤمنن به ولینصرنه ویاخذ العهد بذلك علی قومه﴾[۲]

''اللہ تعالی نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں نبی کریم ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ضرور بالضرور ان پر ایمان بھی لائیں اور ان کے دین کی مدد کریں، اور تمام پیغمبروں سے یہ عہد بھی عہد لیا کہ وہ یہی عہد اپنی امت سے بھی لیں''

گویا صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی اس عہد و پیمان کے پابند نہیں تمام امتیں بھی اس کی پابند ہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد کسی اور نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی یا کسی اور نبی کا کلمہ پڑھنے کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿لو کان موسی حیا لما وسعه الا اتباعی﴾ ''اگر موسی علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو میری اتباع کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا'' [۳]

﴿لتومنن به ولتنصرنه﴾ کی پہلی عملی تصویر:

حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ چار انبیائے کرام علیہم السلام کا ایفائے عہد:

اللہ تبارک وتعالی نے اس آیتِ مقدسہ میں جو عہد و پیمان لیا وہ صرف ایک عہدِ جاںنثاری یا وعدۂ اطاعت گزاری کی حد تک نہیں رہا بلکہ اس کی عملی صورت بھی اللہ تعالی نے تمام کائنات کو دکھلائی۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ﴿الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون﴾ ”انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں“ [٤]

دوسری حدیث مبارک میں ہے ﴿ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء﴾ ”اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو تکلیف پہنچائے“ [٥]

لیکن چار انبیائے کرام ایسے ہیں جو ابھی تک ایک لمحے کے لیے بھی موت کے ذائقے سے آشنا نہیں ہوئے اور اب بھی دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، ان میں سے دو پیغمبر حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہما السلام جنت اور آسمان پر ہیں، حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام زمین پر موجود ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لا چکے تو اب یہ چاروں حضرات آپ کے امتی ہیں، اور حضرت خضر علیہ السلام صرف امتی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے اولیائے کرام کے درمیان سفارت والا عہدہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے کسی غوث، قطب، ابدال یا روحانی کارکن قضا و قدر کی طرف کوئی پیغام پہنچانا ہو یا کسی حکم کو نافذ کرنا ہو تو حضرت خضر علیہ السلام یہ پیغام لے کر جاتے ہیں۔

شیخ المشائخ حضرت شاہ سلیمان تونسوی اور حضرت خضر علیہ السلام:

شیخ المشائخ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل جمی تھی کہ ایک

بزرگ لڑکھڑاتے ہوئے محفل میں آئے، آپ نے ان کے لیے مسند خالی کر دی، وہ بیٹھ گئے، کچھ دیر آپ سے سرگوشی کرتے رہے پھر اٹھ کر چل دیے، حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "لوگ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے وظیفے پڑھتے اور سو سو جتن کرتے ہیں، یہ بزرگ جو ابھی اٹھ کر گئے ہیں یہ خضر علیہ السلام تھے"

یہ بات سن کر حاضرینِ محفل بھاگ کھڑے ہوئے کہ حضرت خضر کی زیارت ہو جائے، وہ وہاں سے نکلے تو نظروں سے اوجھل ہو گئے، حضرت پیر سیال خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ وہیں بیٹھے رہے، حضرت تونسوی نے فرمایا: آپ نہیں گئے، حضور پیر سیال نے عرض کیا: کہ میں اس ہستی کو چھوڑ کر کدھر جاؤں جس کی ملاقات کے لیے خضر خود تشریف لاتے ہیں۔ اسی حسنِ عقیدت پر خوش ہو کر حضرت تونسوی کی زبانِ پاک سے یہ الفاظ نکلے "یا اللہ میرے سیالاں کوں رنگ لائیں" (یا اللہ حضرت شمس العارفین کو بلندیاں عطا فرما!) [٦]

بہرحال مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ انبیائے کرام نے اس پیمان کو پورا کیا اور وہ واقعتاً نبی کریم کے دین کے خادم اور سپاہی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام...... مبلغِ شریعتِ محمدیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قربِ قیامت میں جلوہ افروز ہوں گے تو نہ اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کریں گے، نہ انجیل کا پرچار کریں گے، نہ لوگوں کو عیسائی مذہب کی طرف بلائیں گے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء میں سے ایک عالم کی

حیثیت سے تشریف لائیں گے، قرآن وسنت کا وعظ کریں گے اور لوگوں کو دینِ محمدی ﷺ کی طرف بلا کر اس بات کا اظہار کریں گے کہ عالمِ ارواح میں ربِ ذوالجلال نے مجھ سے جو عہد لیا تھا آج میں اس عہد کو پورا کر رہا ہوں۔

ایک لطیف نکتہ:

اس مقام پہ علماء نے ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے بہت خوب صورت نکتہ بیان فرمایا وہ بھی آپ کے گوش گزار کرتا چلوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ دین کے متعلق ایک اشکال:

اشکال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری، آپ کے اعلان نبوت ورسالت اور تبلیغِ دین اور نزولِ قرآن سے سینکڑوں سال پہلے آسمانوں پر اٹھا لیے گئے، جب وہ امتِ محمدیہ کے ایک عالم کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو لوگوں کے مسائل کا حل شریعتِ محمدیہ کے مطابق کس طرح بیان کریں گے، کیا وہ اس وقت شریعت کا مطالعہ کر کے پھر لوگوں کے سوالات کے جوابات دیا کریں گے؟ اگر وہ اس وقت مطالعہ شروع کریں اور شریعتِ محمدیہ کو پڑھنا شروع فرمائیں تو بروقت رہنمائی کیسے کریں گے؟

پہلا جواب:

اس کا جواب دیتے ہوئے علماء وصوفیائے کرام نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "جمعیتِ حالیہ" کا مقام حاصل ہوگا، یہ تصوف کی اصطلاح میں ایک خاص

مقام اور مرتبے کا نام ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ پیر اور مرید کے جسم تو دور دور ہوں لیکن ان کی روحوں میں باہم جمعیت پائی جائے، جسم بعید ہوں لیکن روحیں اس طرح اکھٹی ہوں کہ مرید پر جو بھی مشکل آئے پیر کی روح فوراً اسے جان بھی لے اور اس مشکل کو حل بھی کر دے، حضرت عیسی علیہ السلام کی روح اور نبی کریم کی روح اقدس دونوں اکھٹی ہوں گی، جسموں کے بُعد اور دوری کے باوجود حضرت عیسی علیہ السلام سے جو مسئلہ پوچھا جائے گا نبی کریم ﷺ کی روح پاک فوراً رہنمائی فرمائے گی اور آپ نبی کریم ﷺ سے براہِ راست استفادہ کر کے بلا تردد وہ مسئلہ امت کے سامنے بیان فرمادیں گے اور شریعتِ محمدیہ کا نفاذ فرمائیں گے۔

دوسرا جواب:

علمائے حق نے اس اشکال کا ایک اور جواب بھی دیا ہے، وہ جواب یہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے، تعلم واکتساب وغیرہ کی حاجت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو عقولِ متوسطہ کے مالک اور فاقدِ قوتِ قدسیہ ہوتے ہیں، جن کے قوائے قدسیہ اعلی مرتبے پر فائز ہوں، جن کی ارواحِ طیبہ ہر قسم کی آلائشوں سے منزہ اور مبرا ہوں انہیں پڑھنے یا سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تمام علوم وفنون دست بستہ ان کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور تمام معلومات خود بخود ان پر منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے مقصود یہ حقیقت گوش گزار کرنا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام زمین پہ اترنے کے بعد خود بھی اسی دین کے عامل ہوں گے، اسی دین کے

مسائل پر عمل پیرا ہوں گے اور اسی شریعت کی تبلیغ فرمائیں گے۔

اس سے نبی کریم ﷺ کی شان، اور آپ کی شریعت کا مقام واضح ہو گیا کہ جو خود نبی اور صاحبِ شریعت ہیں وہ آپ کی غلامی کا طوق گردن میں ڈالے ہوئے ہیں اور آپ ہی کی شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔

نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کا امامت سے انکار:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا واقعہ احادیث مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت امامِ مہدی علیہ السلام دمشق یا بیت المقدس میں فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ امامت پر کھڑے ہوں گے، ابھی نماز کی ابتداء نہیں ہوئی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسجد کے مینار پر اتریں گے، حضرت امام مہدی ان کے احترام میں مصلیٰ خالی کر دیں گے، اور ان کی شانِ نبوت کے پیشِ نظر عرض کریں گے ﴿تعال صل لنا﴾ "تشریف لایئے، ہمیں نماز پڑھایئے" لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت سے انکار کریں گے، حضرت امام مہدی کو مصلے پر کھڑا کریں گے اور فرمائیں گے:

﴿ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الله هذه الامة﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کا اعزاز ہے کہ اس نے اس امت کے بعض افراد کو بعض کا امام اور پیشوا بنایا ہے" آپ نماز پڑھائیں، میں آپ کے پیچھے آپ کی اقتداء میں نماز

پڑھوں گا۔[۷]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلی نماز کی امامت نہیں فرمائیں گے ، یہ نماز امام مہدی ہی پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امامت کا منصب سنبھالیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی حکمت:

پہلی نماز کی امامت سے انکار میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر آپ آتے ہی امامت کا منصب سنبھال لیتے تو شاید کوئی سمجھتا کہ آپ دوبارہ نبی اور رسول کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں، آپ امامت سے انکار فرما کر اور حضرت امام مہدی کی اقتداء میں نماز ادا فرما کر اس وہم کو دور کر دیں گے اور یہ حقیقت ظاہر فرما دیں گے کہ میں نبی یا رسول بن کر نہیں آیا بلکہ سید الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ایک عالم و عامل اور ان کی امت کا ایک فرد بن کر آیا ہوں۔

﴿لتومنن به ولتنصرنه﴾ کی دوسری عملی تصویر:

وہ امام صفِ انبیاء ہیں ان کا رتبہ بڑوں سے بڑا ہے:

انبیائے کرام علیہم السلام نے ﴿اقررنا﴾ فرما کر عالمِ ارواح میں جو عہد کیا تھا اس کا اجتماعی اظہار شبِ معراج کو ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جبریلِ امین کی معیت میں بیت المقدس میں پہنچے تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام صفیں بنا کر امام الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار فرما رہے تھے، آپ جلوہ فرما ہوئے تو تمام انبیائے کرام علیہم

السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرما کر آپ کی عظمت و برتری کا اقرار کیا اور آپ کی شریعت کے مطابق نماز ادا فرما کر اس حقیقت کا علان کر دیا کہ ہم سب ان کے امتی بھی ہیں اور ان کی شریعت کے مطابق عمل بھی کر رہے ہیں۔

﴿لتومنن به ولتنصرنه﴾ کی تیسری عملی تصویر:

جس کے زیرِ لواء، آدم و من سوا:

اس عہدِ مقدس کا عظیم ترین اظہار تمام انبیائے کرام قیامت کے دن کریں گے، ہر نبی کی امت وہاں موجود ہوگی، لیکن کوئی نبی یا رسول اپنا الگ جھنڈا نصب نہیں کرے گا، اور اپنی امت کو لے کر اپنے الگ جھنڈے کے نیچے کھڑا نہیں ہوگا، بلکہ سب کی نظریں اس دن بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد پہ مرکوز ہوں گی اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام اسی جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو نبی کریم کا امتی اور آپ کی امت کا ایک فرد ثابت کر رہے ہوں گے۔

امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

﴿وهذا حكمة كون الانبياء فى الآخرة تحت لوائه وصلاته بهم ليلة الاسراء﴾[۸]

"یومِ قیامت تمام انبیائے کرام کا آپ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا اور" شب معراج آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اسی وجہ سے ہے کہ وہ اس عہد و پیمان کو پورا

کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالی سے کیا تھا“

کسی معاملے میں عہد لینے والی اللہ تعالی کی ذات ہو، اور وہ اپنی مخلوق سے کوئی عہد لے رہا ہو، تو تاکید کے بغیر عمومی الفاظ کا ذکر کر دینا بھی کافی ہے، اس لیے کہ عہد لینے والی ذات کی جلالت اور اس کی کبریائی کے پیشِ نظر ہی اس عہد میں بہت بڑی تاکید اور مضبوطی پائی جائے گی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالی نے اس عہد و پیان کے الفاظ کو جس طرح مؤکد انداز میں ذکر فرمایا اس سے اس عہد کی اہمیت اور نبی کریم ﷺ کی عظمتِ شان کے بے پایاں نقوش ظاہر ہو رہے ہیں۔

آیتِ میثاق میں موجود تاکیدات......عربی گرائمر کی روشنی میں:

جو لوگ عربی گرائمر سے واقف ہیں وہ بخوبی جان سکتے ہیں کہ اس آیت میں کس قدر، زور، تاکید اور وزن ہے، آیئے اس کی کچھ تفصیل جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) آیت میں اس عہد کو ”میثاق“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور عربی میں ہر عہد کو میثاق نہیں کہا جاتا بلکہ اس عہد کو میثاق سے تعبیر کیا جاتا ہے جہاں عہد لینے والا بھی اور عہد کرنے والا بھی خلافِ عہد کی کوئی بھی گنجائش باقی نہ چھوڑے، اور وعدہ کرنے والا پوری ذمہ داری کے ساتھ اس عہد کو نبھانے اور پورا کرنے کا اعلان و اظہار کرے۔

(۲) ﴿لتومنن﴾ اور ﴿لتنصرنہ﴾ دونوں مضارع کے صیغے ہیں، اور ان دونوں کے ساتھ دو دو حروفِ تاکید موجود ہیں، لامِ تاکید بھی اور نونِ تاکید ثقیلہ بھی

۔اس طرح پر بھی اس عہد کی تاکید کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۳) اس آیتِ مبارکہ میں تاکید کی ایک اور قسم کو بھی استعمال میں لایا گیا ہے، لیکن اس کو سمجھنے سے پہلے تمہیداً دو باتیں ذہن نشین فرمایئے:

پہلی یہ کہ عربی گرائمر کی رو سے کلام دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) اخبار (۲) انشاء

پہلی قسم کا استعمال عام طور پر مخاطب کو کسی بات سے آگاہ کرنے یا اس تک کسی خبر کو پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم مخاطب کو حکم دینے کے لیے یا کسی چیز کی طلب اور خواہش کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

دوسری یہ کہ اخبار میں متکلم یعنی بات کرنے والے کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوسکتی ہے، مثلاً کوئی کہے کہ کل بارش ہوگی، یہ ایک خبر ہے اور کلام کی پہلی قسم ہے، اب اس کے کہنے کے مطابق بارش ہو تو وہ سچا ہے اور اگر بارش نہ ہو تو اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے گی، لیکن انشاء میں متکلم کی طرف حقیقتاً یا حکماً کسی طرح بھی جھوٹ کی نسبت نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اس نے کوئی خبر نہیں بیان کی اس نے تو ایک کام کا حکم دیا ہے یا کسی خواہش اور طلب کا اظہار کیا ہے۔ چاہے سننے والا اس خواہش کو پورا کرے یا نہ کرے خواہش کا اظہار کرنے والے یا حکم دینے والے کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں ہوسکتی۔

یہ تمہید سمجھ لینے کے بعد آیتِ مبارکہ کے الفاظ میں غور فرمایئے، اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لینا چاہتا ہے، ان سے ایک چیز کی طلب اور

خواہش کا اظہار کر رہا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ یہاں ﴿انصروہ﴾ اور ﴿آمنوا بہ﴾ کے الفاظ ذکر کیے جاتے، کہ اے انبیائے کرام! جب وہ مقدس رسول تمہارے پاس تشریف لے آئیں تو تم ان کی مدد کرنا اور ان پر ایمان لانا۔ موقع کا تقاضا یہی تھا کہ یہاں انشاء کا استعمال عمل میں لایا جاتا، لیکن ایسا نہیں کہا بلکہ خبر دی کہ تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے، ان کی مدد کرو گے، ایسا کیوں کیا گیا؟

اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حکم اور امر کی صورت میں کلام فرماتا اور بالفرض کوئی اس حکم کو پورا نہ بھی کرتا پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت لازم نہ آتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز، روزہ وغیرہ عبادات کا حکم دیا ہے، ہم سے بہت سے لوگ ان عبادات کی پابندی نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت لازم نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے اخبار والے اسلوب کو اختیار کیا ہے، اس صورت میں بفرضِ محال کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب ہو جائیگا۔ معاذ اللہ

لیکن اسلوب کی اسی تبدیلی میں وہ عظیم ترین تاکید پنہاں ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں:

اس اشکال کا ایک جواب تو بالکل واضح ہے کہ یہ کلام ہے تو اخبار، لیکن انشاء کے معنی میں ہے۔

لیکن دوسرا جواب زیادہ لطیف ہے، اور وہ یہ ہے کہ دراصل بعض اوقات متکلم کو اپنے مخاطب پر اس قدر کامل اعتماد ہوتا ہے، کہ وہ پورے وثوق کے ساتھ مخاطب

کے بارے میں ایک خبر دے دیتا ہے، اسے کامل بھروسہ ہوتا ہے کہ میرا مخاطب میری خبر کو جھوٹا نہیں ہونے دے گا، اسے میری صداقت کی لاج پڑ جائے گی، اور وہ کبھی کسی صورت میں بھی میری طرف جھوٹ کی نسبت نہیں ہونے دے گا۔

اس کی ایک مثال سمجھ لیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک بھیڑیا کسی کی بکری پکڑ کر بھاگا، چرواہے نے بکری اس سے چھڑالی، بھیڑیا ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور انسانوں کی طرح کلام کرتے ہوئے کہنے لگا، جس دن ان کا کوئی وارث نہیں ہوگا، انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اس دن انہیں ہمارے حملے سے کون بچا سکے گا؟ نبی کریم نے مزید فرمایا کہ ایک آدمی نے گائے پر سامان لاد رکھا تھا گائے نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور انسانی الفاظ میں کہنے لگی کہ ہمیں بار برداری کے لیے تو پیدا نہیں کیا گیا، ہمیں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، یہ دونوں باتیں سن کر لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ جانور کس طرح کلام کر سکتے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿انی اومن بذلك وابو بكر وعمر﴾ "میں بھی اس پر ایمان لایا اور ابو بکر و عمر بھی" [۹]

حالانکہ یہ حضرات وہاں موجود نہیں، بات سے آگاہ نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اخلاص پر اتنا کامل یقین ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین ہے کہ وہ ہرگز میری خبر کو جھوٹا نہیں ہونے دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی نے بھی اس آیتِ مبارکہ میں یہ اسلوب اسی حکمت کے تحت اختیار کیا ہے، کہ ایک تو انبیائے کرام علیہم السلام پر اسے کامل یقین اور وثوق ہے کہ وہ اس کے فرمان کو کبھی بھی پسِ پشت نہیں ڈالیں گے۔

اور دوسرا اس میں اعلی درجے کی تاکید ہے کہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ ان کے رب نے ان کے بارے میں ایک خبر دے دی ہے تو ہر صورت میں اس پر پورا اتریں گے تاکہ کہیں ان کے رب تبارک وتعالی کی طرف مجازی طور پر بھی جھوٹ کی نسبت لازم نہ آجائے۔

(۴) جس سے عہد لیا جارہا ہے وہ اگر انتہائی معتمد اور باوثوق ہو تو ایک ہی دفعہ عہد لے لینا کافی ہوتا ہے، یہ عہد کرنے والے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں، ان سے بڑھ کر کون اللہ تبارک وتعالی کے ہاں معتمد اور قابلِ اعتبار ہوگا، لیکن اللہ تعالی نے ایک دفعہ عہد لینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ دوبارہ پوچھا ﴿ااقررتم واخذتم علی ذلکم اصری﴾ "کیا اتم اس عہد کو نبھانے کا اقرار کرتے ہو اور یہ عظیم بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہو" تمام انبیائے کرام نے عرض کیا ﴿اقررنا﴾ "ہم نے اقرار کیا"

(۵) انبیائے کرام سے یہ سوال اور ان کا یہ جواب بھی عظیم ترین تاکید کو ثابت کررہا ہے۔ لیکن اللہ تعالی نے اب بھی تاکید کا سلسلہ بند نہیں فرمایا، مزید ارشاد ہوا ﴿فاشهدوا﴾ آپس میں ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ ﴿وانا معکم من الشاهدین﴾ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اگر یہ عہد کسی عام انسان سے لیا جارہا ہوتا تو ممکن ہے یہ الفاظ اس کی بے

اعتباری کے پیشِ نظر کہے جاتے، لیکن انبیائے کرام کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بد عہدی یا خلاف ورزئ عہد کے مرتکب ہوں گے۔ اس مقام پہ اس طرح کے الفاظ جس قدر تاکید اور زور پیدا کر رہے ہیں وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ پہلے انہیں آپس میں ایک دوسرے کا گواہ بننے کا حکم دیا جا رہا ہے اور پھر علیم وخبیر رب خود بھی گواہوں میں شامل ہو رہا ہے۔

(۶) اس سے اگلی آیت نے تو تاکید کی آخری حدوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے ﴿فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (آل عمران:۸۲) ”یہ وعدہ کر لینے کے بعد جو اس سے پھرے گا تو یہی لوگ فاسق ہیں“

کہاں منصب نبوت کی رفعتیں اور کہاں فسق، لیکن اللہ تبارک وتعالی یہ اعلان فرما رہا ہے کہ نبوت ورسالت کے منصب پر فائز رہنے اور ان عظمتوں سے ہم کنار رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ غلامی مصطفیٰ ﷺ کا جو عہد تم سے لیا جا رہا ہے اس پر سختی سے کار بند رہو اور موقع ملنے پر اس عہد کو نبھا کر اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤ۔

یہاں تک آپ نے میثاقِ انبیاء میں موجود تاکیدات کا اجمالی نقشہ ملاحظہ فرمایا۔ اس میں قابلِ تفکر بات یہ ہے کہ یہ ساری تاکیدیں، یہ سارے وعدے کس کی خاطر لیے جا رہے ہیں، کس کی عظمتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے اتنے عظیم سامان کیے جا رہے ہیں۔ انبیاء عالمِ ارواح میں جس کی غلامی کا حلف اٹھا رہے ہیں، امم سابقہ

جن کی غلامی کا وعدہ اپنے اپنے انبیائے کرام سے کر رہی ہیں، جن کی شریعت پر سابقہ انبیائے کرام عمل پیرا ہوں آج اگر کوئی امتی کہلانے والا امتی ہو کر ان کی غلامی کا طوق گردن میں نہ ڈالے، ان کی نوکری کو باعثِ افتخار نہ سمجھے، ان کی برتری اور فوقیت کا اعتراف نہ کرے، یا امتی ہو کر ان کی شریعت پر عمل پیرا نہ ہو اس کے لیے یہ آیات عبرت کا سامان مہیا کر رہی ہیں۔

منکرینِ کمالاتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درسِ عبرت:

اس میں ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو اپنے آپ کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل سمجھتے ہیں، اگر انبیائے کرام اور رسلِ عظام سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس قدر مؤکد عہد لے رہا ہے اور غلامیٔ مصطفیٰ چھوڑنے پر انہیں اتنی عظیم وعید سے دوچار ہونے کی خبر دے رہا ہے تو ماوشما کی اس محبوبِ رب العالمین کے سامنے کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

﴿مصدق لما معکم﴾ اور وسعتِ علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص وصف ذکر فرمایا، کہ تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو ہر اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے۔

ان الفاظ میں اگر غور و تدبر کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا ایک عظیم پہلو سامنے آتا ہے۔ تصدیق اسی چیز کی ہو سکتی ہے جو آدمی کے علم میں ہو، جس کی معرفت حاصل ہو، ان جانی چیز کی نہ تصدیق ہو سکتی ہے نہ ہی تکذیب۔ ان الفاظ سے

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے سے پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں، ان کی کتابوں، صحیفوں ان کے کمالات، اور مراتب سے آگاہ اور باخبر ہیں اسی لیے آپ ان کی تصدیق فرمانے والے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے نبی کریم ﷺ کی وسعتِ علم واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اگلے اور پچھلے لوگوں کے علوم عطا فرمائے اور وہ علوم بھی آپ کو عطا فرمائے گئے جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔

وسعتِ علومِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ ﷺ:

اسی شان کو بیان کرتے ہوئے خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿علمت علم الاولین والآخرین﴾ "مجھے تمام اگلوں اور پچھلوں کے علوم سکھا دیے گئے" [۱۰]

لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا اس حدیث مبارکہ کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ کو صرف وہی علوم دیے گئے جو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو فرداً فرداً عطا کیے گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علوم بھی عطا فرمائے ہیں جو نہ کسی مقرب نبی کو اور نہ ہی کسی اعلیٰ ترین مقام کے حامل فرشتے کو عطا ہوئے۔

محبوبِ کریم ﷺ کے علوم کی گہرائی اور وسعت کو معلوم کرنا یا اس کا اندازہ لگانا یہ انسانی عقل و ادراک کے بس کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شبِ معراج لا مکاں کی بلندیوں پر بلا کر، مسند محبوبیت پہ فائز فرما کر جو کچھ پڑھا اور بتایا اس تک کسی اور مخلوق کی رسائی ممکن ہی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا مقامِ قرب اور شانِ تلمذ و اکتساب:

اس قرب کو بیان کرتے ہوئے ربِ ذوالجلال فرماتا ہے﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ـ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾(النجم:۸،۹) ''پھر وہ قریب ہوئے، اور قریب ہوئے، اور اتنے قریب ہوئے کہ دو قوسوں کے درمیانی فاصلے جتنا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم فاصلہ'' یہ عقل و سمجھ کی حدوں سے ماوراقربت بیان کرنے کے بعد ان کی شانِ علم اور اپنی شانِ عطا کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا﴿ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴾(النجم:۱۰) ''پھر اس نے وحی کی اپنے بندۂ خاص کی طرف جو وحی کی''

آیتِ کریمہ کا لائقِ توجہ اسلوب:

اس آیتِ کریمہ کے اسلوب پر غور فرمائیے، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب کو بے شمار علوم دیے، ان کو بے شمار چیزیں سکھائیں، بلکہ بے پرواہی اور شانِ استغناء کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ''وحی کی اس نے اپنے بندۂ خاص کی طرف جو وحی کی'' گویا جو لوگ علمِ مصطفیٰ کی پیمائش کے لیے دوڑے بھاگتے ہیں، جن کا زورِ بیان، زورِ علم اور زورِ قلم وسعتِ علومِ مصطفیٰ ﷺ کو کم کرنے کی کوششوں میں صرف ہو رہا ہے، ربِ ذوالجلال ان سے فرمارہا ہے کہ وہ میرے محبوب، میں ان کا محب، میں داتا، وہ سوالی، میں عطا فرمانے والا، وہ لینے والے، نہ میرے خزانوں کی کوئی انتہاء، نہ ان کے ظرف میں کوئی تنگی، پھر تم کون ہوتے ہو اس معاملے میں ٹانگ اڑانے والے کہ میں نے کیا دیا، کتنا دیا، یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، یہ محب اور محبوب کے باہمی راز ہیں، میں نے جو دینا تھا دے دیا، میں نے جو وحی بھیجنا تھی بھیج دی تمہیں اس سے کیا

غرض اور کیا واسطہ؟

اس اسلوب میں جس شانِ استغناء اور جس صمدیت کا اظہار کیا جا رہا ہے اس کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جو عربی لغت سے مس رکھتا ہو۔

(ایک اہم نکتہ) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے استفادہ میں جبریلِ امین کے محتاج تھے؟

بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جبریلِ امین تازہ تازہ جو پیغامِ الٰہی لے کر آتے تھے آپ اسی کی روشنی میں معلومات آگے پہنچا دیتے، اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی معلومات نہیں ہوتی تھیں، اور ان سب علوم میں آپ جبریلِ امین کے محتاج تھے۔

ان لوگوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ شب معراج جب نبی کریم ﴿او ادنی﴾ کی منزلِ قرب پر فائز ہو کر ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی﴾ کی شان سے ربِ ذو الجلال سے بلا واسطہ کسبِ فیوض فرما رہے تھے اس وقت جبریلِ امین کہاں تھے ۔ جبریلِ امین اس وقت پہرے داروں کی طرح ''سدرۃ المنتہیٰ'' پہ کھڑے تھے، سدرۃ المنتہیٰ چھٹے اور ساتویں آسمان کے درمیان ہے، اس کے اوپر ساتواں آسمان ہے، اس کے اوپر عرش اور کرسی، اور اس کے بعد ستر ہزار حجاباتِ عظمت ہیں جن میں سے ہر حجاب کا فاصلہ اتنا ہے جتنا زمین اور آسمان کا درمیانی فاصلہ ہے، گویا جبریل ان ستر ہزار سے زائد درجات میں سے صرف چھ درجے عبور کر کے رک گئے ہیں، اس سے

آگے جا ہی نہیں سکے، انہیں کیا خبر کہ دینے والے نے کیا دیا اور لینے والے نے کیا لیا۔

فاضلِ بریلوی قدس سرہ العزیز کا نظریہ:

امامِ اہلِ سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے کتنے خوبصورت انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا:

غنچے ما اوحی کے جو چٹکے دنا کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تو ان کی بو سے بھی محرم نہیں

آپ فرماتے ہیں کہ ﴿دنا فتدلی﴾ کے باغ میں ﴿ما اوحی﴾ کے جو غنچے کھلے، پھول بنے، اور ان کی خوشبو سے محبوبِ کریم کے مشامِ جاں معطر ہوے بلبلِ سدرہ کو تو ان کی خوشبو سے ہی کوئی واقفیت نہیں، جب خوشبو سے واقفیت نہیں، تو ان غنچوں اور پھولوں سے کیا واقفیت ہوگی، اور ان کی آرائش و زیبائش اور دل فریبی کے بارے میں ان کو کیا علم ہوسکتا ہے۔

لہذا یہ سوچنا یا یہ کہنا کہ جبریلِ امین کے بتانے سے ہی آپ کو خبر ہوتی تھی اس کے علاوہ آپ کچھ نہیں جانتے تھے، ایک بے ہودہ نظریہ ہے جس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

اس سلسلے میں آپ کے سامنے اس امت کے عظیم مفسر امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ کا فرمان مبارک پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مفسرِ جلیل، قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ کا نظریہ:

قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں نبی کی ابتدائی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿الا ترى ان الانبياء لما فاقت قوتهم واشتعلت قريحتهم بحيث يكاد زيتها يضيئ ولو لم تمسسه نارارسل اليهم الملائكة﴾

"جب انبیائے کرام کی باطنی صلاحیتیں اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں اور ان کی روحانی کیفیت اس چراغ کی مانند ہو جاتی ہے جو بغیر دیا سلائی دکھائے روشن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجتا ہے جو اس کا پیغام لے کر آتے ہیں"

اس سے اگلے جملہ میں انہوں نے انبیاء کے عروج اور ان کے روحانی مدارج کے ارتقاء کی شان بیان کی ہے، اور اس مسئلہ میں اپنا موقف بھی بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

﴿ومن كان منهم اعلى رتبة كلمه بلا واسطة كما كلم موسى ليلة الميقات ومحمدا ﷺ ليلة الميقات﴾[۱۱]

"انبیائے کرام میں سے جن کی روحانی قوتیں اور باطنی صلاحیتیں مزید بڑھ جاتی ہیں (انہیں فرشتوں کی حاجت نہیں رہتی) اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ ہم کلام ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر ہم کلام ہوا اور محمدِ کریم ﷺ سے شبِ معراج کلام فرمایا"

امام بیضاوی کے اس فرمان نے واضح کر دیا کہ انبیائے کرام جبریلِ امین کے واسطے کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ سے علوم و معارف کا اکتساب کرتے رہتے ہیں۔

منکرینِ علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لمحہ فکریہ:

مقامِ غور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علوم عطا فرمانے والا، اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وصول فرمانے والے، نہ دینے والے کے خزانوں کی کوئی انتہاء، نہ لینے والے کے دامنِ طلب میں تنگی، پھر کسی امتی کے لیے اس میں باعثِ تکلیف اور سببِ رنج والم کونسا امر ہے؟ کسی امتی کا کسی انسان کو اس بات کی فکر کیوں کھائے جا رہی ہے کہ اتنا علم کیوں ثابت ہو گیا، اتنے کمالات کیوں مان لیے گئے۔ اگر شرک لازم ہونے کی فکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو ہوتی کہ یہ کمالات عطا فرمانے سے کہیں انبیائے کرام اور اولیائے عظام میرے شریک نہ بن جائیں۔ جب اس کو کوئی فکر نہیں، اور وہ سب کچھ عطا فرما کر بھی انہیں اپنا شریک نہیں سمجھتا تو پھر کسی انسان کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر کوئی نابالغ بچہ یا کوئی مجنون، پاگل کسی خزانے کا مالک بن جائے، اسے وراثت میں یا تحفے میں کوئی بڑا خزانہ یا مال و دولت مل جائے تو شریعت اس کے اولیاء یعنی اس کے قریبی رشتہ داروں کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اس کے عاقل و بالغ ہونے تک اسے اس مال میں کوئی تصرف نہ کرنے دیں، تاکہ وہ ناسمجھی میں کہیں اپنا نقصان نہ کر بیٹھے، اسے شریعت کی اصطلاح میں ''حجر'' کہا جاتا ہے۔

جو لوگ وسعتِ علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فکر مند ہیں اور انہیں اس سے شرک کے خطرات دکھائی دیتے ہیں، انہیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا نظریہ اپنائے ہوئے ہیں، کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی سلوک نہیں کر رہے جو کسی نا سمجھ بچے یا پاگل کے اقرباء اس سے کرتے ہیں کہ یہ اپنا حصہ کہیں بے سمجھی میں ضائع نہ کر دے۔ ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ- معاذ اللہ- اللہ تعالیٰ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اپنے پیاروں کو یہ خزانے دینے میں میرا نقصان ہے، میری توحید کے زائل ہونے کا خطرہ ہے لیکن انہیں یہ احساس ہوا ہے اور یہ سوچ ان کے ذہن میں پیدا ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك

یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ان اوہامِ باطلہ اور ظنونِ فاسدہ سے بلند و بالا ہے اور اس نے یہ سارے کمالات اپنے پیاروں کو اسی لیے عطا فرمائے ہیں کہ انسانیت کو پتا چلے کہ میرے کمالات وہ نہیں جن میں کمی آجائے، میرے خزانے عام انسانی خزانوں کی طرح نہیں، مخلوق کو مخلوق سمجھتے ہوئے ان میں جتنے بھی خدادا کمالات مان لیے جائیں اس سے شرک لازم نہیں آتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ۔ کے خزانوں کی وسعت میں تو کسی کلمہ گو کو شک نہیں ہو سکتا ،آیئے وسعتِ سینۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ اس بارے میں کچھ لوگ شک و شبہ کا شکار ہیں۔

وسعتِ سینۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بکلامِ ربِ ارض وسماء:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الانشراح:۱) ”کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کھول نہیں دیا“

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں ﴿الم نوسع صدرك حتى حوى عالمى الغيب والشهادة﴾ ”ہم نے آپ کا سینہ اتنا وسیع کر دیا کہ عالمِ غیب اور عالمِ شہادت دونوں پر آپ کا سینہ حاوی ہو گیا“ [۱۲]

جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ کھولے، جن کے ظرف کی وسعتیں اس ذاتِ پاک کی عطا فرمودہ ہیں اس کی وسعتوں کا انکار کون کر سکتا ہے اور اس کی حد بندی کا تصور ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے؟

آیتِ کریمہ کی تفسیر، بزبانِ صوفیاء:

قلبِ عارف کی وسعتوں کا عالم، شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں:

ناسمجھ لوگ انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوبِ طاہرہ کی وسعتوں کے منکر ہیں. آیئے صوفیاء سے پوچھتے ہیں کہ ایک ولی جب مجاہدات و ریاضات کے ذریعے دل کی تطہیر کرتا ہے اور دل کی باریک نالی کو محنت و ریاضت کی کدال سے کھودتا رہتا ہے تو اس کے دل کی وسعتوں کا عالم کیا ہو جاتا ہے؟ شیخ اکبر، حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿لو ان العرش وما حواه الى ماة الف الف مرة القى فى زاوية من زوايا قلب العارف ما احس به وكيف يحس بالحادث من وسع

القدیم﴾[۱۳]

"عرش سے لے کر تحت الثری تک جتنی وسعت ہے اتنی وسعت والے دس کروڑ جہان اگر عارف کے دل کے گوشوں میں سے ایک گوشے میں ڈال دیے جائیں تو اسے کوئی وزن اور حجم محسوس نہیں ہوگا، اس لیے کہ جو دل اس ذاتِ قدیم کے جلووں کا مسکن بنا ہوا ہے اسے کسی حادث کا کیا وزن اور حجم محسوس ہو سکتا ہے؟

اس فرمان کے الفاظ پر غور کیجیے۔"مائۃ الف" "ایک لاکھ" کو کہتے ہیں۔"ماۃ ماۃ الف" "دس کروڑ" کو کہا جائے گا۔شیخ اکبر کے بقول اگر اس کائنات جیسے کروڑوں جہان قلبِ عارف کے گوشوں میں سے کسی ایک گوشے میں ڈال دیے جائیں اور اسے کوئی پُری، کوئی وزن اور حجم محسوس نہیں ہوتا تو سید العارفین، اور امام الانبیاء ﷺ کے قلبِ مبارک کی وسعتوں کا عالم کیا ہوگا؟ اور اس قلبِ اطہر میں کس قدر علوم سما سکیں گے؟

شیخ اکبر کے قول سے حاصل ہونے والے فوائد:

اس مقام پہ دو عظیم ترین فرق ہیں جو مدِ نظر رکھنے ضروری ہیں:

(۱) ایک جانب ولی ہے، دوسری طرف نبی بلکہ سید الانبیاء ﷺ ہیں۔ دونوں کے مجاہدات اور ریاضات میں از روئے ثواب و اجر کتنا فرق اور دونوں کو حاصل ہونے والے انعاماتِ الٰہیہ میں کتنا تفاوت ہے؟

(۲) عارف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان نہیں کیا کہ ہم نے اس کا

سینہ کھول دیا ہے۔ لیکن سینۂ مصطفیٰ کی توسیع کا اعلان ربِ ذوالجلال خود فرما رہا ہے ،اپنی محنت کی بدولت وسعتِ قلبی حاصل کر لینے والے کا مرتبہ آپ نے شیخ اکبر کی زبانِ صداقت نشان سے سن لیا، جس کے سینے کو ربِ ذوالجلال نے وسعتیں دی ہیں اس کا اندازہ خود لگا لیجیے۔

ولی کو یہ مقام اپنی ذاتی محنت کی وجہ سے اور سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی کی بدولت مل رہا ہے لیکن نبی پاک ﷺ کو یہ شرح صدر خاص وہبِ الٰہی اور عطیۂ خداوندی کے طور پر حاصل ہو رہا ہے۔ ان دونوں میں کتنا فرق ہوگا؟

﴿الم نشرح﴾ کی تفسیر میں ایک لطیف نکتہ:

اللہ تعالیٰ احد و یکتا ہے، لاشریک ہے۔ عربی زبان میں واحد کے لیے ﴿الم اشرح ﴾ کے الفاظ استعمال ہونے چاہییں، اس کا معنی ہوگا "کیا میں نے آپ کا سینہ نہیں کھولا"، لیکن اللہ تعالیٰ نے جمع کے الفاظ استعمال فرماتے ہے ارشاد فرمایا ﴿الم نشرح ﴾ "کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا؟" احد ہو کر اس نے اپنے بارے میں جمع والے الفاظ کیوں استعمال فرمائے؟

ان الفاظ کو استعمال فرمانے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے، اپنا زور اور اپنا تصرف و اختیار دکھلانا چاہتا ہے، کہ میں وہ رب ہوں کہ ذات میں احد اور یکتا ہوں، لیکن مجھ اکیلے کی قوت و طاقت وہ ہے کہ کروڑوں اربوں !! تعداد مخلوق مل کر بھی میری طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اے

محبوب! اتنی طاقتوں والے خدا نے آپ کا سینہ کھولا ہے، اتنے عظیم رب نے آپ کے قلب کو وسعتیں عطا فرمائی ہیں۔ جب اس کی شانِ تصرف واختیار اور اس کی قدرت و قوت، حدِ ادراک سے ماوراء ہے تو اس عظیم ترین قدرت کے ساتھ اس نے جو سینہ کھولا ہے اس کی وسعتیں کس کے احاطۂ فہم میں آسکتی ہیں؟

اسی سوچ کے حامل ملاؤں کے بارے میں صوفیائے کرام نے فرمایا:

ایہہ ملائیں کسے کار دے اے بھید نہ جانڑ یار دے

ان کو کیا خبر کہ اس مُعطی مطلق نے اپنے محبوبوں کے سردار ﷺ کو کتنی عظمتوں سے نوازا ہے؟

علومِ مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مقام پر حق وصداقت کی ترجمانی کرتے ہوئے بڑی خوب صورتی کے ساتھ راہِ اعتدال کو واضح فرمایا، آپ فرماتے ہیں:

تمام عقلاء، حکماء، علماء، فلاسفہ، سائنسدان غرض جتنی بھی ذوی العقول مخلوق ہے سب کے علوم وادراکات مل جائیں تو ان کو نبی کریم ﷺ کے علوم سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو دریا سے ہوتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کے ان تمام علوم ومعارف کو اللہ تعالیٰ کے علوم سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرے کو سات سمندروں سے ہوتی ہے۔

یہاں تک ﴿رسول مصدق لما معکم﴾ کے کلمات قدسی صفات کی مختصر تفسیر آپ کے گوش گزار کی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم جامع جمیع کمالاتِ

انبیاء بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور تمام سابقہ انبیاء ورسل علیھم الصلاۃ والسلام کے کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دامنِ اقدس میں ڈال دیے۔

اب اس کی مزید تفصیل کی طرف چلتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کتب سابقہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے علم کی کیا شان تھی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان:

انجیل برناباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان آج بھی موجود ہے کہ:

"ایک چوتھائی علوم تمام انبیاء کو عطا کیے گئے اور تین چوتھائی نبی آخر الزمان ﷺ کو عطا فرمائے گئے" [١٤]

یعنی اگر علوم کے چار حصے کیے جائیں تو ان چار حصوں میں سے ایک حصہ تمام انبیائے کرام کو عطا فرمایا گیا اور تین حصے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا گئے ہے۔

احادیثِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کی شانِ علم کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

کتب سابقہ اور علمِ مصطفیٰ ﷺ...... حدیث کی روشنی میں:

یہودیوں کے ایک شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا، تورات میں اس جرم کی سزا رجم بیان کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ سوچا کہ شاید اسلام میں ہمارے لیے سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نکل آئے، چنانچہ وہ فیصلہ کروانے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا فیصلہ تورات کے مطابق کروں گا اور

تورات میں اس جرم کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو سنگ سار کیا جائے۔ اس یہودی جوڑے نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ تورات میں اس جرم کی یہ سزا بیان ہوئی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ امی ہیں، انہوں نے کسی انسان سے تعلیم حاصل نہیں کی، یہ کیسے تورات پڑھ سکیں گے، کیسے اس سے مطلوبہ عبارت تلاش کر سکیں گے اور حوالہ ڈھونڈ سکیں گے، انہوں نے فوراً اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تورات لے آؤ! وہ تورات لے آئے، جس آیت میں رجم والی سزا کا ذکر تھا اس سے اگلی اور پچھلی آیتیں فرفر پڑھ ڈالیں اور درمیان سے متعلقہ آیت چھوڑ دی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جن کا شمار اسلام لانے سے قبل یہودیوں کے بڑے علماء میں ہوتا تھا، قریب ہی بیٹھے تھے، انہوں نے فرمایا: اے یہودی! ذرا اپنا ہاتھ اٹھا، اس یہودی نے ہاتھ اس آیت کے اوپر رکھا ہوا تھا جس میں وہ حکم بیان کیا گیا تھا، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہ آیت سامنے نظر آنے لگی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوی کہ تورات میں اس جرم کی یہ سزا بیان کی گئی ہے ثابت ہو گیا۔[١٥]

اس حدیثِ صحیح سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آپ اگرچہ امی ہیں، لیکن اللہ تعالی کی عطا سے تمام اگلوں پچھلوں کے علوم آپ کو حاصل ہیں۔ اعلی حضرت فرماتے ہیں:

ایسا امی کس لیے منت کشِ استاذ ہو کیا کفایت اس کو اقرأ وربک الاکرم نہیں

جسے رب اکرم نے خود تعلیم دی ہے، جسے براہِ راست مبدءِ فیاض سے شرف

تلمذ حاصل ہو، اسے کسی انسان کے آگے جا کر زانوئے تلمذ طے کرنے کی اور اس کے زیرِ احسان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

کتبِ سابقہ کے متعلق علمِ مصطفیٰ......قرآن مجید کی روشنی میں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ (الاعراف:۱۵۷) ''جو لوگ اس نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ تورات و انجیل میں پاتے ہیں''

اس آیت میں دعوی کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ پاک تورات و انجیل میں موجود ہے، اس کے بعد بھی کسی یہودی یا عیسائی نے یہ نہیں کہا کہ یہ رہی تورات، یہ ہے انجیل، دکھاؤ اس میں تمہارا ذکر کہاں ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ بظاہر ہمارے لحاظ سے یہ امی نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے انہیں وہ علوم پڑھا دیے ہیں کہ ہم ہرگز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ انہیں کسی دھوکے میں رکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کی عطا سے تمام کتب سماویہ و صحائف کے مضامین سے واقف ہیں۔

مفسرینِ کرام نے قاعدہ بیان فرمایا ﴿القرآن یفسر بعضه بعضا﴾ قرآن وہ مقدس کلام ہے کہ یہ خود اپنی تفسیر کرتا ہے، اس کی بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر اور توضیح ہیں۔ آیئے ﴿مصدق لما معكم﴾ کے الفاظ کی تفسیر قرآن مجید ہی سے معلوم کرتے ہیں۔

کتبِ سابقہ کے رازدان ﷺ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآئَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (المائدۃ:۱۵)"

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے وہ رسول تشریف لائے جو ان بہت سی باتوں کو بیان کرنے والے ہیں جنہیں تم اپنی کتابوں تورات وانجیل میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرنے والے ہیں"

آیتِ کریمہ کا شانِ نزول:

یہود ونصاریٰ کی عادت تھی کہ وہ آپ ﷺ کی عداوت کی بناء پر تورت وانجیل کی ان آیات کو چھپاتے تھے جن میں نبی کریم ﷺ کی شان وعظمت کو بیان کیا گیا تھا ۔اس آیتِ مبارکہ میں ان کو خبر دی جارہی ہے کہ اب ہمارے رسول تمہارے پاس جلوہ گر ہو چکے ہیں، اور یہ ہماری عطا سے تمام کتبِ سابقہ کے مندرجات کا علم رکھتے ہیں، لہذا جو کچھ تم چھپاتے تھے یہ کھول کر بیان فرمانے والے ہیں، اور تمہاری بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اس آیت کے مصداق کے طور پر یہود ونصاریٰ کے سامنے اپنی ان شانوں کو بیان فرماتے لیکن کسی کو یہ جراءت نہیں ہوئی کہ وہ آپ کو جھٹلا سکے اور یہ کہہ سکے کہ تورات وانجیل میں یہ کچھ بیان نہیں ہوا۔

اس آیت سے پہلی آیتِ مبارکہ کی تفسیر بھی ہوگئی کہ آپ ﷺ نہ صرف

انبیائے سابقین اور کتبِ سابقہ کے تمام تر احوال سے باخبر ہیں بلکہ حسبِ ضرورت ان کو بیان بھی فرمانے والے ہیں۔

دنیوی زندگی میں انبیائے کرام کی طرف سے کمالاتِ مصطفویہ کا اعتراف:

اللہ تعالیٰ نے میثاقِ انبیاء کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے یہ کمالاتِ جلیلہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے بیان فرمائے ،وہ تو عالمِ ارواح کا معاملہ تھا، انبیائے کرام علیہم السلام کے ذہنوں میں ان کمالات کا نقش اتنا گہرا تھا کہ ہر نبی اپنی دنیوی زندگی میں اپنی امت کے سامنے آپ ﷺ کے گن گاتا رہا۔آیئے حضرت عیسی علیہ السلام کا ایک فرمان سنتے ہیں۔

حضرت عیسی علیہ السلام کا فرمان:

حضرت عیسی علیہ السلام کے دور میں بارہ ربیع الاول شریف کی رات آئی تو آپ نے اپنی قوم کو اکھٹا کیا اور ان سے یوں کلام فرمایا:

"یہی وہ رات ہے جس میں آخر الزمان پیغمبر ظاہر ہوں گے ،لہذا ہمیں یہ رات سو کر غفلت میں نہیں گزارنی چاہیے بلکہ ہمیں چاہیے کہ سو مرتبہ اللہ کے حضور سر بہ سجود ہوں، میں تسلی سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس نبی کی زیارت بھی کی ہے اور ان کے ساتھ مل کر دعا کی بھی ہے ،اس بناء پر میں خوش اور مسرور ہوں اور میرے دل کو سکون اور قرار حاصل ہو گیا ہے" [١٦]

حضرت عیسی علیہ السلام کے فرمان سے حاصل ہونے والے فوائد:

حضرت عیسی علیہ السلام کے اس فرمان میں دو باتیں لائقِ توجہ ہیں:

(۱) آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ساڑھے پانچ سو برس قبل دنیا میں تشریف لائے، اس وقت ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نہیں ہوئی، بارہ ربیع الاول کی رات ابھی اس شرف سے بالفعل مشرف نہیں ہوئی اس کے باوجود آپ خود بیدار ہو کر، نفلی عبادت ادا کر کے، امت کو جگا کر اور ان کو اس عبادت میں اپنے ساتھ شامل فرما کر اس رات کی انفرادی شان کو اجاگر فرما رہے ہیں، خوشی اور مسرت کے اظہار کا سامان کر رہے ہیں، اس رات کو دوسری راتوں سے افضل و اعلی سمجھ رہے ہیں، مقامِ غور ہے کہ اگر اس وقت یہ رات متبرک تھی، دیگر راتوں سے ارفع و اعلی تھی، تو جب بالفعل نبی کریم کی ولادتِ پاک ہوگئی، اور اس رات کو یہ سعادتِ عظمی نصیب ہوگئی تو کیا اب اس کی برکتوں میں لاکھوں گنا اضافہ ہوگا یا برکتیں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔

بات چل نکلی ہے تو اس حوالے سے بھی ایک دو باتیں عرض کرتا چلوں، علماءِ حق اور صوفیاءِ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ ولادت کے بارے میں انتہائی ایمان افروز ارشادات فرمائے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ جس کے دل میں نبی کریم کی اہمیت و عظمت کا احساس بیدار ہے اور جو آپ کی قدر سے کچھ بھی واقف ہے وہ اس رات کی اہمیت کو جان سکتا ہے۔

شبِ ولادت، امامِ احمد رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

اہلِ محبت ہی جانتے ہیں کہ اس رات کی عظمت و شان کیا ہے۔ امامِ احمد بن حنبل ﷫ فرماتے ہیں کہ جمعۃ المبارک کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ جمعۃ المبارک کی رات کو سرکارِ دوعالم ﷺ کا نورِ اقدس حضرت سیدنا عبداللہ ﷫ کی پشت مبارک سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس میں جلوہ گر ہوا، اس لیے یہ رات لیلۃ القدر سے افضل ہے۔[۱۷]

سوچنے کی بات ہے کہ جس رات میں نورِ اقدس ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف منتقل ہوا اس کی عظمت و شان یہ ہے کہ لیلۃ القدر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، تو جس رات میں اس قمرِ منیر سے تمام حجابات اٹھا دیے گئے وہ نور بکھیرتا ہوا عالم میں جلوہ فرما ہوا اس رات کی عظمت کا عالم کیا ہوگا؟

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان میں دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے پیدا ہوئے، اس کے باوجود فرما رہے ہیں کہ "میں تسلی سے کہتا ہوں کہ میں نے اس نبی کی زیارت بھی کی ہے اور اس کے ساتھ مل کر دعا بھی مانگی ہے"

اس فرمان کا مفہوم کیا ہے؟ اور آپ سینکڑوں سال پہلے یہ بات کیوں ارشاد فرما رہے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے علمائے محققین اور صوفیاء نے دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) دراصل ماضی، حال اور مستقبل کا فرق ہم جیسے عامی لوگوں کے لیے ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے ماضی، حال اور مستقبل کا کوئی فرق نہیں اور سب کچھ

اس کے لیے حال ہے، اسی طرح جو اس کو راضی کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو عبادت و ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنا لیتے ہیں وہ اس طرح انہیں اپنی تجلیات کے رنگ میں رنگ لیتا ہے کہ ان کے لیے بھی ماضی، حال اور مستقبل کا فرق بھی اٹھ جاتا ہے ،ان کے لیے ماضی اور مستقبل بھی حال کی مانند ہو جاتا ہے:

آنکہ غافل نیست از حق یک نفس ماضی و مستقبلش حال است و بس

جو ایک لمحے کے لیے اللہ تعالی سے غافل نہیں ہوتا، اور ہمیشہ اس کے جلووں میں گم رہتا ہے اس کے لیے ماضی اور مستقبل بھی حال بن جاتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام کے قول کا مفہوم واضح ہو گیا کہ آپ اگرچہ نبی کریم سے سینکڑوں سال پہلے دنیا میں تشریف لائے، لیکن نبی کریم ﷺ نے جو دعائیں سینکڑوں سال بعد مانگنی تھیں آپ ان میں شامل تھے، اور انہیں یوں ملاحظہ کر رہے تھے کہ گویا آپ بھی وہاں موجود ہیں۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی اس دنیا میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ملاقات:

(۲) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب نبی کریم ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز ہوے تو حضرت عیسی علیہ السلام ظاہراً بھی آپ کی زیارت اور ملاقات سے مشرف ہوے، اس ضمن میں امامِ سیوطی کی الخصائص الکبری کی روایت پیش کرنا چاہتا ہوں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ہمیں ایک چادر اور ایک ہاتھ دکھائی دیا ﴿فقلنا یا رسول اللہ اما ھذا البرد الذی رئینا والید﴾ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ چادر اور یہ ہاتھ کیسا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم نے بھی چادر اور ہاتھ کو دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! ﷺ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿ذاك عیسی ابن مریم سلم علی﴾ "یہ عیسی ابن مریم تھے جو میری خدمت میں سلام کرنے آئے تھے" [۱۸]

اس حدیث پاک سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تبارک وتعالی نے یہ قوت وطاقت عطا فرمائی ہے کہ جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں، اور جس سے چاہیں ملاقات کرسکتے ہیں۔

آیتِ میثاق میں اللہ تعالی نے محبوبِ کریم ﷺ کی جن عظمتوں کا اظہار کیا ہے وہ احاطۂ بیان میں نہیں آسکتیں، اپنے محدود معلومات کے پیشِ نظر جو کچھ عرج کیا گیا اللہ تعالی اسے شرفِ قبول سے مشرف فرمائے۔ آمین

گفتگو کے آخر میں ایک سوال کا جواب عرض کرنا چاہتا ہوں جو سامعین کی طرف سے بھیجا گیا ہے:

(سوال) بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہنا کیسا ہے؟:

بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

اس دن کا یہ نام رکھنا کسی طور پر بھی درست نہیں:

(۱) تاریخی اعتبار سے بھی اسے بارہ وفات کہنا درست نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی وفاتِ پاک دو ربیع الاول کو ہوئی، بارہ کو نہیں۔ تمام مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا وصال پاک نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے ٹھیک چھ ماہ بعد ہوا۔ اور اس بات پر بھی اہلِ سیرت متفق ہیں کہ ان کا وصال رمضان المبارک کی دو تاریخ کو ہوا۔ اب اگر وصالِ نبوی دو ربیع الاول کو مانا جائے تو پورے چھ ماہ کا عرصہ بنتا ہے، ورنہ چھ ماہ اور دس دن کا عرصہ ماننا پڑے گا جو تاریخ کے خلاف ہے۔ تاریخی اعتبار سے چونکہ بارہ ربیع الاول کو نبی کریم ﷺ کا وصال ثابت نہیں لہذا اس دن کو بارہ وفات کہنا غلط ہوگا۔[۱۹]

(۲) شرعاً بھی اس دن کو وفات سے موسوم کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ ہماری شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ غم یاد دلانے والی چیزوں کی بجائے ان چیزوں کا اعادہ کرنا چاہیے جو غم غلط کرنے والی اور رنج دور کرنے والی ہوں۔

اس کی ایک مثال سماعت فرمائیں:

اسلامی سن کی ابتداء نہ تو نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے کی گئی ہے نہ ہی آپ کے وصال پاک سے۔ اس لیے کہ اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ پر اور پھر آپ کے ماننے والوں پر مشکلات و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، مصائب اور تکالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور پہلے تیرہ سال انہی تکالیف، مصائب مشقت اور دکھ درد میں گزرے اسی طرح آپ کا وصال شریف بھی مسلمانوں کے لیے بہت عظیم صدمہ

ہے، ان دونوں اہم ترین واقعات سے سنِ اسلامی کی ابتداء نہیں ہوئی، بلکہ اس کی ابتداء ہجرتِ مدینہ سے کی گئی، اس لیے کہ یہی ہجرت فتوحات کے سلسلہ کے شروع ہونے، اسلام کے ابدی پیغام کی وسیع ترین پیمانے پر اشاعت اور سکھوں، راحتوں کا ایک سنگِ میل قرار پائی، ہزاروں خوشیاں اس کی طرف منسوب ہیں اس لیے سالِ اسلامی کا آغاز اس موقع سے کیا گیا، اور وصال پاک یا اعلانِ نبوت سے سال کا آغاز نہیں کیا گیا تا کہ بار بار رنج و آلام یاد نہ آئیں۔ لہذا اس دن کو بلا فرج اگر وصال پاک ہو بھی، تو وصالِ اقدس سے منسوب کرنے کی بجائے ولادتِ اپک سے منسوب کرنا ہی مزاجِ شریعت کے مطابق و موافق ہے۔

وفاتِ انبیائے کرام کی کیفیت :

(۳) بارہ وفات کہنا اس لحاظ سے بھی موزوں اور مناسب نہیں، کہ اس لفظ سے عام لوگ یہی سمجھیں گے کہ جس طرح کی وفات عام لوگوں کی ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات بھی اسی کیفیت اور نوعیت کی ہوگی۔ حالانکہ آپ ﷺ کی وفات وہ وفات ہے جس کا مقابلہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیاں بھی نہیں کر سکتیں۔

آپ فرماتے ہیں:

﴿حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما وجدت من حسن حمدت الله علیه وما وجدت من سیئة استغفرت الله لکم﴾[۲۰]

''میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا وصال بھی، تمہارے اعمال قبر میں مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے اچھے اعمال دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور برے اعمال دیکھ کر تمہاری مغفرت کے لیے دعا کروں گا''

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ قبرِ انور میں اسی طرح بلکہ اس سے بھی ارفع و اعلیٰ حیاتِ مبارکہ کے ساتھ زندہ ہیں، ہمارے اعمال کا مشاہدہ فرمارہے ہیں، اور درود و سلام کے جو تحفے ہم بھیجتے ہیں انہیں وصول فرما کر اس سے کئی گنا اعلیٰ تحفے ہمیں واپس بھی بھیج رہے ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام﴾

جو مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ اسے سنتا بھی ہوں اور اسے جواب بھی عطا فرماتا ہوں۔[۲۱]

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہنا کسی طرح بھی درست نہیں، نہ ہی اس دن آپ کا وصال ہوا اور نہ ہی یہ عنوان موزوں اور مناسب ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات:

(۱) ﴿اذ﴾ کی تفسیر ﴿اذکر یا محمد﴾:

تفسیر ابن کثیر تحت قولہ تعالیٰ ﴿واذ قال ربك للملائكة﴾ (البقرۃ:۳۰) ۱/۱۹۹

(۲) امم سابقہ کی میثاق میں شمولیت......اقوالِ صحابہ کی نظر میں:

تفسیر ابنِ کثیر بحوالہ جواہر البحار ۲/۱۳۳،،، تفسیر کبیر زیر آیت محولہ

(۳) ﴿لو كان موسى بن عمران حيا لما وسعه الا اتباعى﴾

جواہر البحار ۱/۲۲۰،،، فتح الباری ۱۳/۳۳۴،،، مسندِ احمد ۳/۳۸۷

(۴) ﴿الانبياء احياء فى قبورهم يصلون﴾

شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں حیاتِ انبیاء کے بارے میں تفصیلی کلام فرمایا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ

﴿بدانکہ حیاتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است وهیچ کس را خلاف نیست دران کہ آں کامل تر وقوی تر از وجودِ حیاتِ شہداء ومقاتلین فی سبیل اللہ است﴾

"جان لے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زندگی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام کی زندگی شہداء کرام اور مجاہدین کی زندگی سے (جو نصِ قرآنی سے ثابت ہے) زیادہ کامل اور قوی ہے"

شیخ محقق نے یہ دونوں حدیثیں اور دیگر متعدد مضبوط دلائل اس موضوع پر ذکر فرمائے ہیں۔ (مدارج ۲/۴۴۷)

(۵) ﴿ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء﴾

ملاحظہ ہو حاشیہ سابقہ

(۶) خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات

ملفوظاتِ شمس العارفین معروف بہ انوارِ شمسیہ ص:

(۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امامت سے انکار

صحیح بخاری: احادیث الانبیاء: ۳۱۹۳/ صحیح مسلم: الایمان: ۲۲۵/ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۴۵۹۵

(۸) انبیائے کرام کا لواء الحمد کے نیچے کھڑا ہونا اور شبِ معراج آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا:

جواہر البحار ۲/ ۱۱۴

(۹) حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کی عدم موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی

صحیح بخاری: المناقب: ۳۳۹۰/ صحیح مسلم: فضائل الصحابہ: ۴۴۰۱

(۱۰) ﴿علمت علم الاولین والآخرین﴾

شیخ محقق اس حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے مدارج میں فرماتے ہیں:

﴿و حاصل شد مرا خبر اولین و آخرین و روشن گردانید دل مرا و پوشید نور عرش مرا پس دیدم همه چیز را بدلِ خود و دیدم از پسِ خود چنانچه می بینم از پیش﴾ (مدارج النبوت ۱/ ۱۶۹)

یہ حدیث پاک روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی نے اور دیوبندی اکابر نے اپنی کتب میں نقل کی ہے، مولانا غلام نصیر الدین سیالوی حفظہ اللہ تعالیٰ کے بقول اگرچہ اس کی سند اعلیٰ پائے کی نہیں تاہم اسے درجنوں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی تائید حاصل ہے۔

(۱۱) قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ (م ۶۹۱ ھ) کا فرمان

تحت قولہ تعالی ﴿ واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ (البقرة:۳۰) ۱۸۴/۲

(۱۲) ﴿الم نشرح﴾ کی تفسیر میں مفسرین کا قول

اشرف العلماء کا ذکر کردہ یہ قول امام اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ کے ذکر کردہ قول کا حصہ ہے، آپ فرماتے ہیں:

﴿قد شرحنا لك صدرك وفسحناه حتی حوی علم الغیب والشهادة بین ملکتی الاستفادة والافادة فما صدك الملابسة بالعلائق الجسمانیة عن اقتباس انوار الملكات الروحانية وما عاقك التعلق بمصالح الخلق عن الاستغراق فی شؤون الحق﴾

''ہم نے آپ کی خاطر آپ کے سینہ کو کھول دیا ہے اور اسے وسیع کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ شہادت اور غیب کے دونوں جہانوں پر حاوی ہو گیا ہے اور اسے افادہ اور استفادہ کی دونوں صفات عطا فرما دی ہیں، لہذا بشری تقاضے آپ کو روحانی انوار کے حصول سے نہیں روکتے اور لوگوں کی بہتری کے لیے ان کے ساتھ مشغول ہونا، آپ کے لیے ذاتِ باری تعالی کی ذات و صفات میں مستغرق ہونے سے رکاوٹ نہیں بنتا'' (جواہر البحار ۲/ ۳۱۹)

(۱۳) ﴿الم نشرح﴾ کی تفسیر بزبانِ شیخ اکبر

(۱۴) علم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمان عیسی علیہ السلام

انجیل برنباس فصل ۴۴ آیت ۲۸ تا ۳۲ ص: ۷۰ بحوالہ انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین از اشرف العلماء زید مجدہ ص: ۵۰

(۱۵) تورات میں موجود رجم کے حکم کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان

صحیح بخاری: المناقب: ۳۳۶۳/ صحیح بخاری: تفسیر القرآن: ۴۱۹۰/ صحیح بخاری: الحدود:

۶۳۳۶/ ابوداؤد: الاقضیۃ: ۳۱۴۲/ ابوداؤد: الحدود: ۳۸۵۶/ دارمی: الحدود: ۲۲۱۸

(۱۶) شبِ میلاد کے بارے میں فرمانِ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل برنباس فصل ۸۳ ص: ۱۲۵ بحوالہ انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ از

اشرف العلماء زید مجدہ ص: ۴۵

(۱۷) شبِ میلاد کی فضیلت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿بدانکه استقرار نطفۂ زکیه مصطفویه و ایداعِ درۂ محمدیه در صدفِ بطنِ آمنه رضی الله عنها در ایامِ حج بر قولِ اصح در اوسطِ ایام تشریق شبِ ضمعه بود ازیں جهت امامِ احمد بن حنبل رحمة الله علیه لیلة الجمعة را فاضل تر از لیلة القدر داشته﴾ (مدارج النبوت ۲/۱۳)

"جان لے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کے جوہرِ اقدس کا استقرار اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس میں اس گرانمایہ موتی کا ودیعت رکھا جانا اصح قول کے مطابق حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان والے دن جمعۃ المبارک کی رات میں میں وقوع پذیر ہوا اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جمعۃ کی رات کو لیلۃ القدر سے افضل سمجھتے ہیں"

(۱۸) حضرت عیسیٰ کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ ملاقات:

الخصائص الکبری ۲/۱۵۱: باب اجتماعہ ﷺ بالخضر و عیسیٰ علیہما السلام

(۱۹) تاریخ وصالِ اقدس کی صحیح تعیین

شیخ محقق علیہ الرحمہ، بارہ ربیع الاول، دو ربیع الاول اور آٹھ ربیع الاول کے اقوال نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿وقول اول اکثر و اشهر است و عمل اهلِ مکه بریں است و زیارت کردن ایشاں موضع ولادت شریف را دریں شب و خواندنِ مولود﴾

(مدارج النبوت ۲/۱۴)

''پہلا قول ہی زیادہ مشہور اور کثر علماء کا اختیار کردہ ہے، اور اہلِ مکہ کا عمل اسی پر ہے کہ وہ اس رات کو ولادتِ پاک والی جگہ کی زیارت کرتے ہیں اور مولود پڑھتے ہیں''

فائدہ:

یاد رہے کہ شیخ محقق نے تین سال کے لگ بھگ حجازِ مقدس میں رہ کر بچشمِ خود اہلِ محبت کے یہ حسین معمولات ملاحظہ فرمائے اور پھر ان پر رد و قدح کی بجائے اپنی بے نظیر کتاب میں عقیدت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا بلکہ ان کو مقامِ استدلال میں ذکر کیا۔ جو لوگ اپنے سلسلۂ علمی کو شیخ محقق تک پہنچاتے ہیں ان کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے۔

(۲۰) <u>﴿حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم﴾</u>

الجامع الصغیر: ۳۷۷۰، ۳۷۷۱/ کشف الخفاء: ۱۱۷۶/ دیلمی/ فتاوی ابنِ حجر ہیثمی

(۲۱) <u>امتیوں کے درود و سلام کی سماعت اور جواب عطا فرمانا</u>

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

﴿ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام﴾ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۰۳۹۵/ ابوداؤد: المناسک: ۱۷۴۵

''جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالی میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''

أُعطيتُ جوامعَ الكَلِم ونُصِرتُ بالرُّعب مسيرةَ شهرٍ وأُحلَّت لي الغنائمُ وجُعِلَت لي الأرضُ مسجدًا وطَهورًا وأُرسِلتُ إلى الخلقِ كافّةً وخُتِمَ بيَ النبيّون

صلی اللہ علیہ وسلم

خصائصِ سیّد الانبیاء

افادات
اشرف العلماء شیخ الحدیث
علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

ترتیب و حواشی:
محمد سہیل احمد سیالوی
محمد شعیب حسن سیالوی

بزمِ شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خصائصِ سیّد الأنبیاء ﷺ

افادات: اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی

ترتیب وتدوین وتخریج: محمد سہیل احمد سیالوی، محمد شعیب حسن سیالوی

❀❀❀❀❀❀❀❀

ألحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين، والصلوة و السلام على أفضل الأنبياء وسيد المرسلين، أحمد الحامدين ومحمد المحمودين سيدنا وسيد الأولين والآخرين محمد ن المبعوث رحمةً للعالمين وعلى آله الطيبين الطاهرين و أصحابه الكاملين الواصلين و التابعين لهم بالاحسان الى يوم الدين۔ أما بعد فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم ۔ بسم الله الرحمن الرحيم ﴿عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ فضلت على الأنبياء بست ،أعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب وأحلت لى الغنائم وجعلت لى الأرض مسجدا وطهوراوأرسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون﴾[١] صدق رسول الله ﷺ ان الله وملائكته يصلون على النبى، يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً۔ الصلوة والسلام عليك يا رسول الله ۔ وعلى آلك وأصحابك يا حبيب الله۔

واجب الاحترام بزرگو بھائیو!

آپ کے سامنے محبوبِ کریم، رؤوف ورحیم، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک حدیثِ پاک کے الفاظ تلاوت کیے گئے ہیں، اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اپنے کچھ خصائص اور انفرادی کمالات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس نشست میں اسی حدیثِ پاک کی روشنی میں ﴿خصائصِ مصطفیٰ ﷺ﴾ کے عنوان پر گزارشات پیش کی جائیں گی۔ پہلے حدیثِ پاک کا ترجمہ سن لیجیے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔

(۱) ﴿أعطیت جوامع الکلم﴾ مجھے ایسے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں جو تھوڑے الفاظ پر مشتمل ہونے اور انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر بہت بڑی جامعیت اور وسعت رکھتے ہیں اور بے شمار معانی پر مشتمل ہیں۔

(۲) ﴿نصرت بالرعب﴾ مجھے رعب ودبدبہ اور جاہ وجلال عطا فرما کر میری نصرت کی گئی ہے، مجھ اکیلے سے میرے مخالفین یہاں تک کہ بادشاہانِ وقت ڈرتے اور کانپتے ہیں۔

(۳) ﴿أحلت لی الغنائم﴾ جنگ کی صورت میں کفار کی چھوڑی ہوئی چیزیں میرے لیے حلال ٹھہرائی گئی ہیں۔ مجھ سے قبل کسی نبی کے لیے وہ تمام کی تمام چیزیں حلال نہیں ٹھہرائی گئیں۔

(۴) ﴿جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا﴾ پورے روئے زمین کو

میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے، ہم جہاں چاہیں نماز ادا کر سکتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ اس زمین کو میرے لیے ذریعۂ طہارت بھی بنا دیا گیا ہے۔

(۵) ﴿أرسلت الی الخلق کآفة﴾ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چرند، پرند، درند، حیوانات، نباتات، جمادات، جن وانس، ملائکہ، انبیاء و رسل سب میری امت میں شامل ہیں اور میں سب کا نبی اور رسول ہوں۔

(۶) ﴿ختم بی النبیون﴾ میرے ذریعے سلسلۂ نبوت کو ختم فرما دیا گیا، میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔

ان چھ خصائص کے علاوہ چند دیگر اہم خصائص:

اس فرمانِ مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کی بدولت میں باقی انبیائے کرام سے ممتاز اور منفرد شان کا مالک ہوں اور ان صفات کی وجہ سے مجھے دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام پر فوقیت اور برتری عطا فرمائی گئی ہے۔

حالانکہ ان کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں، اور کوئی نبی یا رسول ان میں آپ کے ساتھ شریک نہیں مثلاً:

(۱) آپ وجود میں تمام مخلوق پر مقدم ہیں۔[۲]

(۲) نبوت کے حصول کے لحاظ سے سب سے اول ہیں۔[۳]

(۳) قبرِ انور سے باہر تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے اول ہیں۔[۴]

(۴) شفاعت فرمانے کے لحاظ سے سب سے اول ہیں۔[۵]

(۵) شفاعت کے قبول ہونے کے لحاظ سے سب سے اول ہیں۔[٦]

(۶) مقامِ محمود بھی آپ کے خصائص میں سے ہے، عرش کے دائیں جانب واقع شفاعتِ کبریٰ اور وزارتِ عظمیٰ والا منصب صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔[۷]

(۷) لواء الحمد آپ کے خصائص میں سے ہے، یہ جھنڈا صرف آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی اس کے نیچے کھڑے ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہوں گے۔[۸]

(۸) جنت کا دروازہ کھلوانا آپ کی خصوصیت ہے۔[۹]

(۹) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا آپ کی خصوصیت ہے

-[۱۰]

(۱۰) سب سے پہلے آپ کی امت کا جنت میں جانا آپ ہی کی بدولت ہے اور آپ کے خصائص میں سے ہے۔[۱۱]

(۱۱) ظاہر و باطن کی حکمرانی، دونوں جہانوں کے معاملات کا آپ کے ہاتھ میں ہونا (۱۲)، تمام انعاماتِ الٰہیہ کا آپ کے دستِ جود و نوال سے تقسیم ہونا آپ کی خصوصیت ہے۔[۱۲ - الف]

(۱۲) علم کے اعتبار سے تمام انبیائے کرام کے خصوصی علوم کا آپ کی ذاتِ اقدس میں جمع کر دیا جانا اور ان علوم کا عطا فرمایا جانا جو کسی نبی کو بھی عطا نہیں ہوئے اور آپ کا علومِ اولین و آخرین کو محیط ہونا یہ بھی آپ کے انفرادی کمالات میں

سے ہے۔[۱۳]

(۱۴) قبور میں بعد از دفن امت سے آپ کے متعلق سوال و جواب بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔[۱٤]

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے بے شمار خصائص ہیں جنہیں علمائے محققین نے کتبِ سیرت میں ذکر فرمایا اور اس موضوع پر مستقل تصانیف بھی ظہور میں آئیں۔

ایک اشکال اور شارحینِ حدیث کی طرف سے جواب:

اس حدیثِ پاک پر اشکال یہ ہوگا کہ جب نبی کریم ﷺ سینکڑوں خصائص کے حامل ہیں تو اس حدیثِ پاک میں صرف چھ کو کیوں بیان کیا گیا، اور جب اس حدیث پاک میں صرف چھ کا بیان ہے تو کیا یہ حدیثِ پاک ان احادیث کے معارض نہیں ہوگی جن میں دیگر خصائص کا ذکر ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شارحینِ حدیث نے ایک ضابطہ ذکر فرمایا کہ ''عددِ اقل (چھوٹا عدد) عددِ اکثر (بڑے عدد) کی نفی نہیں کرتا، اور عددِ اکثر عددِ اقل کے منافی نہیں ہوتا'' [۱۵]

اگر کسی شخص کے پاس لاکھ روپے ہوں تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس ایک ہزار روپیہ موجود ہے، اس لیے کہ لاکھ میں ایک ہزار بھی تو موجود ہے، اسی طرح جن دیگر احادیث میں زیادہ انفرادات کا ذکر ہے وہ اس حدیث کے مخالف نہیں ہوگی، اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مفہوم ہوگا کہ انفرادات وخصائص صرف چھ ہیں۔

دراصل ہوتا یوں ہے کہ موقع اور محل کے مطابق، حاضرین و سامعین کے اعتبار سے خاص چیزیں کسی خاص مقصد کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، کسی دوسرے موقع پر کسی اور تقریب خاص یا محلِ خاص کی وجہ سے دوسری چیزوں کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

اب ہم اس حدیثِ مبارک میں ذکر کردہ خصائص کے بارے میں ذرا تفصیل کے ساتھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی خصوصیت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿اعطیت جوامع الکلم﴾ ''مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے''

﴿أعطیت جوامع الکلم﴾ کی پہلی تفسیر:

اس مقدس جملے کی شارحینِ حدیث نے دو تفسیریں کی ہیں، اس کی پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کے وہ مقدس فرامین مراد ہیں جو اپنے اندر معانی و مفاہیم، مطالبِ عالیہ اور حقائقِ غالیہ کا ایک جہان لیے ہوئے ہیں۔[١٦]

نبی کریم ﷺ نے بہت سے مواقع پر ایسے سینکڑوں جملے ارشاد فرمائے کہ جو مختصر ترین ہونے کے باوجود پورے دین کو اور شریعت کے اکثر و بیشتر مسائل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، آپ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والا ایک ایک جملہ اپنے اندر شریعت و طریقت اور حقیقت کے اتنے مسائل سموئے ہوئے ہے کہ اور کسی انسان کا کلام اتنی جامعیت اور وسعت کا حامل نہیں ہو سکتا۔

آیئے اس کی چند مثالیں اجمالاً ملاحظہ کرتے ہیں:

﴿أعطيت جوامع الكلم﴾ کی پہلی مثال:

﴿الدين النصيحة﴾:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الدين النصيحة﴾ [١٧] ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق الاقارب، حقوق الاجانب، حقوق الوالدین، حقوق اساتذہ ومشائخ، ہمسایوں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق غرض پوری شریعتِ مطہرہ کو جو ایک سمندر کی طرح ہے اس ایک جملے میں بند کر دیا گیا ہے۔ دیکھنے میں یہ ایک جملہ ہے لیکن اس کی تفصیل کرتے چلے جائیں تو پوری شریعتِ اسلامیہ اس میں مندرج نظر آئے گی۔

اس وسعت کا جائزہ لینا ہو اور اس پہنائی کو جانچنا ہو تو اس حدیث پاک کا اگلا حصہ پڑھیے

سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، یہ فرمایئے کہ ﴿لمن؟﴾ کس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور خلوص کا برتاؤ کیا جائے، آپ نے فرمایا ﴿لله ولكتابه ولرسوله ، لأئمة المسلمين ولعامتهم﴾

(١) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص

(٢) اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ خلوص

(٣) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص

(٤) مسلمان بادشاہوں اور اولی الامر کے ساتھ خلوص

(۵) تمام اہلِ اسلام کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی

اب اس کی مزید تفصیل کیجیے:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اس کی صفات کمالیہ پر ایمان، ہر قسم کی صفاتِ رذیلہ سے اس کے پاک ہونے پر اعتقاد، اس کی قوت و قدرت، کمالات و شیونات پر ایمان یہ ساری چیزیں اور اس کے علاوہ سینکڑوں چیزیں اس میں داخل اور مندرج ہو جائیں گی۔

کتاب کے ساتھ خلوص میں قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھنا، اس کے غیر فانی اور غیر مخلوق ہونے کا نظریہ رکھنا، اسے ہر قسم کی کجی، خامی، غلطی سے پاک ماننا، اس کے بیان کردہ حقائق پر اعتقاد رکھنا، اس کے مندرجات پر عمل پیرا ہونا، اسے روزِ محشر اور قبر میں اپنا مونس و غم خوار اور شافع سمجھنا، اس کے الفاظِ مبارکہ کی صحیح تلاوت کرنا، اسے تمام علوم اولین و آخرین کا جامع سمجھنا یہ اور اس جیسے ہزاروں امور اس میں شامل ہو جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ خلوص میں آپ پر ایمان، آپ کی نبوت و رسالت اور شانِ ختمِ نبوت کی گواہی، آپ کے افضل الانبیاء والمرسلین ہونے اور دیگر فضائل و کمالات کا اعتراف و اعتقاد، آپ سے سچی محبت، آپ کے طفیل آپ کی آلِ پاک، اصحابِ پاک رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین اور آپ سے نسبت و تعلق رکھنے والی ہر چیز سے محبت اور اس طرح کے لاتعداد امور اس میں مندرج ہو جائیں گے۔

ائمۂ مسلمین یعنی مسلمان حکمرانوں کے ساتھ خلوص میں نیک کاموں پر ان کی

معاونت، جائز امور میں ان کی فرماں برداری، ناجائز اور خلافِ شرع امور پر مناسب طریقے سے ان کی فہمائش اور روک ٹوک، راہِ حق اور سبیلِ ہدایت کی طرف انہیں متوجہ کرنا، جہاد وغیرہ اسلامی احکام و شرائع کی تنفیذ و ترویج میں ان کا دست و بازو بننا یہ سارے امور شامل ہو جائیں گے۔

عامۂ مسلمین کے ساتھ خلوص یہ ہوگا کہ والدین، اساتذہ، مشائخ، بزرگانِ دین، پڑوسی اور دیگر تعلق داروں کے حقوق کا خیال رکھا جائے، بڑوں کا احترام ملحوظِ خاطر رہے، چھوٹوں پر شفقت کی جائے، اولاد کی صحیح تعلیم اور اسلامی نہج پر ان کی تربیت کا اہتمام کیا جائے، بیماروں، تنگ دستوں، لاچاروں کی مدد کی جائے، خرید و فروخت، قرض اور کرایہ وغیرہ کے معاملات میں دوسروں کا خیال رکھا جائے، اپنے ماتحتوں، نوکروں اور خادموں سے حسنِ سلوک اپنایا جائے وغیرہ۔

اس ایک جملے سے یہ پانچ عنوان حاصل ہوے اور ہر عنوان کے تحت چند گنے چنے امور کا ذکر کیا گیا، اگر اس کو مزید تفصیلی نظر سے دیکھا جائے تو دینِ اسلام کا شاید ہی کوئی ایسا اصولی یا فروعی مسئلہ ہو جو اس ایک جملے کے آئینے میں نظر نہ آئے۔

یہ حدیثِ پاک ﴿اعطیت جوامع الکلم﴾ کی تفسیر اور توضیح بن کر ہمارے سامنے موجود ہے، اور اس کے معانی و مطالب کی وسعت کا جو انتہائی محدود سا جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اپنے کلامِ پاک کا آئینہ بنا دیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان کی شان بیان کرتے ہوے خود خالقِ کائنات یوں گویا ہوتا ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾ (النجم:۴،۳) میرا محبوب اپنی مرضی سے کلام نہیں فرماتا، بلکہ اس کا کلام تو رب کی وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

دوسری مثال ﴿انما الأعمال بالنیات﴾:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے ﴿انما الأعمال بالنیات﴾ [۱۸]

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

اس ایک جملے میں اگر تدبر و تفکر کیا جائے تو یہ ایک جملہ اکثر مسائلِ دین پر حاوی اور ان کو محیط نظر آتا ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ جس قدر بھی مالی، بدنی یا مالی بدنی قربانیوں سے مرکب عبادتیں ہیں سب میں اخلاصِ نیت کا ہونا ضروری ہے، اس ایک جملے میں ان سب عبادات کا اور ان کی شروط اور اسبابِ قبولیت کا اجمالی تذکرہ کر دیا گیا۔

اس سے اگلے جملے میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿انما لکل امریٔ مانوی﴾ "ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی"

اس میں سینکڑوں احکامات مندرج ہو جائیں گے، مثلاً جس قدر نیت اعلی ہو، اسی قدر ثواب و جزاء میں اضافہ، ایک عمل بجالاتے ہوئے متعدد نیتوں پر کئی گنا اجر و ثواب کا مستحق بننا، نیت میں فتور ہونے کی بناء پر ثواب سے محرومی یہ سارے حقائق اس میں شامل ہیں۔

مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

ایک آدمی مسجد میں جاتے ہوئے یہ نیت کرے کہ خانہ خدا میں جا رہا ہوں، جب تک وہاں رہوں گا اللہ تعالیٰ کی مہمانی میں رہوں گا وہ غفور و رحیم، کریم و علیم ربِ جلیل میرا میزبان ہوگا، میرے دامنِ مراد کو رحمتوں سے مالا مال کر کے واپس بھیجے گا یہ مسجد میں جانے کی ایک نیت ہے اس پر وہ انسان اجر و ثواب کا حقدار ٹھہرے گا۔

یہی شخص ساتھ یہ نیت بھی کر لے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے گھر میں رہوں گا اس کے حفاظت والے حصار اور مضبوط ترین قلعے میں شیطان کے ہر قسم کے حملوں سے محفوظ و مامون رہوں گا تو یہ الگ نیت ہے اور اس نیت پر الگ ثواب اسکے نامۂ اعمال کی زینت بنے گا۔

یہی انسان مسجد کو جاتے ہوئے یہ نیت کرے کہ جب تک مسجد میں موجود رہوں گا کئی گناہوں سے محفوظ رہوں گا، غیر محرم کی طرف دیکھنے، غیبت، فحش گوئی، جاسوسی اور دیگر محرمات سے بچ رہوں گا تو اس نیت پر ایک نیا ثواب اسے عطا فرمایا جائے گا۔

یہ نیت بھی ہو کہ مسجد میں مجھ سے پہلے جو لوگ موجود ہوں گے میں انہیں سلام کہوں گا وہ مجھے جواب دیں گے، میں سلام دینے اور پہل کرنے والی سنت پر عمل کروں گا وہ جواب دے کر ثواب کے مستحق بنیں گے تو اس حسنِ نیت پر اسے ایک الگ ثواب ملے گا۔

اگر مسجد کی طرف جاتے ہوئے یہ نیت ہو کہ وہاں کوئی عالم آئے گا تو اس سے مسائلِ شرعیہ سیکھوں گا یا کوئی جاہل آئے گا تو اسے مسائلِ شرعیہ کی تعلیم دوں گا۔ یا

طالب علم یہ نیت کرے کہ مسجد میں جا کر اپنے ہم سبق ساتھیوں سے بحث و تکرار کروں گا تا کہ مسائل ذہن میں صحیح طور پر جاگزیں ہو جائیں تو یہ ساری نیتیں بھی اسے الگ الگ ثواب کا مستحق بنا دیں گی۔

اسی طرح یہ نیت ہو کہ مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھتے ،وضو کرتے دیکھوں گا جس میں کوئی غلطی محسوس ہو گی مناسب طریقے سے اس کی اصلاح کروں گا تو اس نیت پر علیحدہ ثواب پائے گا۔

الغرض کسی نیک کام کو بجا لاتے ہوئے جس قدر حسنِ نیت میں وسعت آتی چلی جائے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں کی برسات میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

یوں ہی اگر کوئی انسان اپنے کمرے میں بیٹھا ہے لیکن وہ یہ نیت کرلے کہ میں یہاں کمرے میں اس لیے بیٹھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر قسم کی بدعملیوں سے، بری محفلوں سے، برے افعال واقوال سے بچا رہوں تو جس قدر بدعملیوں سے بچنے کی نیت کر کے وہ اپنے بند کمرے میں بیٹھا رہے گا اسی قدر حسنات اس کے نامۂ اعمال میں شامل ہوتی رہیں گی۔

یہ سارے مفاہیم ومطالب ایک جملے سے حاصل ہو رہے ہیں، اور اس جیسے جملوں کو سیدِ عالم ﷺ نے اپنے خصائص میں شمار فرمایا ہے۔

دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں، کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو ایسی درجنوں مثالیں سامنے آتی ہیں کہ ایک ایک جملے کی صورت میں نبی کریم ﷺ نے حقائق کے سمندر امت کو عطا فرما دیے ہیں۔

﴿أعطیت جوامع الکلم﴾ کی دوسری تفسیر:

اس جملۂ مقدسہ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد قرآنِ مجید ہے[۱۹]۔ گویا نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ مجھے ایسی بلند پایہ کتاب دی گئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہے، بہت تھوڑے الفاظ وکلمات پر مشتمل ہونے کے باوجود اگلوں پچھلوں کے علوم کی جامع، ہر خشک وتر کے علم پر حاوی اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی خبر کو محیط ہے۔

اس کے الفاظ مختصر ہیں، حجم تھوڑا ہے لیکن معانی اور مطالب لامتناہی ہیں۔ اس کے حجم کے مختصر ہونے اور عبارات کے کم الفاظ پر مشتمل ہونے کی ایک زندۂ جاوید گواہی یہ ہے کہ اس امت میں ایسے بچے بھی گزرے ہیں جنہوں نے چار، پانچ سال کی عمر میں اس کو لفظ بہ لفظ یاد کر لیا۔

مامون الرشید کے پاس ایک لڑکا لایا گیا جس کی عمر صرف چار سال تھی، اس کے بچپن، بھولپن اور معصومیت کا عالم یہ تھا کہ بھوک اور پیاس کا اظہار رو کر کرتا تھا، کھانا یا پانی رو کر مانگتا، لیکن قرآنِ مجید جہاں سے سنا جاتا پوری روانی کے ساتھ سنا دیتا تھا۔[۲۰]

اسی طرح کئی بچے ایسے بھی اس امت میں پیدا ہوئے جنہوں نے صرف پانچ سال کی عمر میں قرآنِ مجید مکمل حفظ کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابوں کے منظوم متون بھی از بر یاد کر رکھے تھے۔

پہلی کتابوں کا حفظ کرنا انبیاء کی خصوصیت تھی، عام امتی انہیں یاد نہیں کر سکتے تھے، لیکن قرآنِ مجید کو اللہ تعالی نے اتنا اختصار بھی بخشا کہ بچہ بچہ اسے یاد کر لیتا ہے اور اس قدر جامعیت بھی اس میں ودیعت فرمائی کہ تورات وزبور وانجیل کے تمام علوم صرف سورۂ فاتحہ میں جمع فرما دیے۔

امام سیوطی الاتقان فی علوم القرآن میں روایت کرتے ہیں کہ ﴿لكل آية ستون الف فهم﴾ [۲۱] "ہر ہر آیت میں ساٹھ ساٹھ ہزار معانی ومطالب پوشیدہ ہیں"

معانی کے اعتبار سے اس قدر وسعت اور ہمہ گیری جبکہ الفاظ کے لحاظ سے قلت واختصار یہ اس کتاب کی وہ انفرادی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ جامع ترین کتاب عطا فرمائی گئی ہے۔

دوسری خصوصیت:

نبی کریم ﷺ نے اپنی دوسری خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رعب و جلال اور دبدبے کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی ہے۔

جن حالات میں نبی کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا اس وقت کے عالمی حالات کا جائزہ لیا جائے تو صورتِ حال کچھ یوں سامنے آتی ہے کہ فارس اور روما کی سلطنتیں یوں ابھر چکی ہیں جیسے ہمارے ہاں کسی دور میں امریکہ اور روس کو سمجھا جاتا تھا، ساری دنیا ان دو سلطنتوں کے رحم وکرم پر ہے، عربوں کی کوئی منظم سلطنت یا افواج موجود نہیں اور ہوں بھی تو وہ خود نبی کریم ﷺ کی جان کے دشمن بنے بیٹھے ہیں، اہلِ

اسلام افرادی قوت کے لحاظ سے بھی ان طاقتوں سے کوئی جوڑ نہیں رکھتے اور مال و اسباب کے لحاظ سے بھی کسی شمار میں نہیں۔

ان حالات میں یہ نبی کریم ﷺ کا خداداد رعب وجلال ہی تھا کہ کسی بادشاہِ وقت کو آپ پر حملہ کرنے کی بلکہ آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جراءت تک نہ ہوئی، بلکہ آپ کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ آپ خود ان سے مقابلہ کے لیے پروگرام ترتیب دیتے رہتے تھے۔

روما کی عظیم سلطنت کے بادشاہ کے بارے میں جب آپ نے سنا کہ وہ ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے ملک میں آکر ہم سے کیوں جنگ کرے ہم خود اس پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور اس کے ملک کے قریب جا کر اس سے جہاد کریں گے۔ چنانچہ آپ نے کسی قسم کی رازداری کو روا نہ رکھتے ہوئے علی الاعلان فرمایا کہ بادشاہِ روم کے خلاف جنگ ہے، جو جا سکتا ہے وہ ضرور جائے اور دل کھول کر مالی تعاون بھی کیا جائے، آپ ایک لاکھ کی فوج لے کر تبوک کے مقام پر چالیس دن تک جلوہ فرما رہے لیکن بادشاہِ روم کو یہ جراءت نہ ہو سکی کہ وہ آپ کے مقابلے کے لیے میدانِ جنگ میں اترتا۔[۲۲]

کہاں وہ صدیوں سے قائم منظم و مستحکم سلطنتیں اور کہاں یہ چند منتشر قبائل جو اب اجتماعیت اختیار کرنے کے قریب ہو رہے ہیں، کہاں یہ فاقہ کش اسلحہ سے خالی تازہ تازہ فوج میں آنے والے جوان اور کہاں وہ تربیت یافتہ، اسلحہ اور ہمہ قسم ساز و سامان سے لیس افواج، کہاں یہ چند قبائل کے اسباب و وسائل اور کہاں عظیم ترین

سلطنت کے اسباب و سائل، اگر آپ کا یہ خداداد رعب وجلال نہ ہوتا تو وہ ضرور یہ سوچتے کہ ان منتشر قبائل کو منظم ہونے سے پہلے ہی کچل دیا جائے، اس چھوٹے سے چشمے کو دریا کی صورت اختیار کرنے سے قبل ہی بند کر دیا جائے تاکہ یہ کل ہمارے لیے خطرات کا موجب نہ بنے، یقیناً یہ سارے افکار ان کے ذہن میں ہوں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہبی رعب اور جاہ وجلال کا کمال ہے کہ ظاہری قوت و طاقت میں فائق ہونے کے باوجود ان کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی غرض سے قرب و جوار کے بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے، اس موقع پر آپ نے بادشاہِ روم کو بھی ایک خط لکھا جس میں یہ جملہ لکھا ﴿اسلم تسلم﴾[۲۳] اسلام لے آ! تجھے سلامتی مل جائے گی۔

اس جملے پر غور فرمایئے، ایک بہت بڑی سلطنت کے بادشاہ کو یہ الفاظ کہے جائیں کہ اگر بچنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ، اور الفاظ کہنے والا ظاہری طور پر اس کے مقابلے میں کسی قابلِ ذکر قوت و طاقت کا مالک نہ ہو تو یہ الفاظ اس بادشاہ کے غیظ و غضب کو بھڑکا کر اسے حملہ کرنے اور دھمکی دینے والے کے خلاف جنگی کاروائی کرنے پر اکسانے والے ہیں، اور اسے حملہ کرنے پر مجبور کرنے والے الفاظ ہیں، لیکن بادشاہِ روم نے آپ کے قاصد کو عزت و تکریم کے ساتھ بٹھایا، آپ کے مکتوبِ مبارک کو بوسہ دیا، غلاف میں لپیٹ کر سنہری ڈبے میں احترام سے رکھ دیا، اور قاصد سے کہا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ اسلام قبول کرنے پر میرے اراکینِ سلطنت بگڑ جائیں گے، اور فوج کے کمانڈر مجھے قتل کر دیں گے تو میں ضرور ان کی

خدمت میں حاضر ہوتا، مجھے پہلے سے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی اور تشریف لائے گا لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آخری نبی بنی اسماعیل میں مبعوث فرمادیا، جس طرح کے خصائص تم اس نبی کے بیان کررہے ہو اگر تم اپنی گفتگو میں سچے ہو تو میرا خیال یہ ہے کہ ﴿سیملك موضع قدمی هاتین﴾[٢٤] وہ بیت المقدس کے اس شہر کا جہاں اب میں کھڑا ہوں، مالک بن جائے گا اور اس کی سلطنت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوگا کہ بیت المقدس بھی اس میں شامل ہوجائے گا۔

دوسری طرف آپ نے ایران کے بادشاہ کو بھی خط لکھا، اس نے ازلی شقاوت کی بناء پر بے ادبی کا مظاہرہ کیا، اور بحرین کے گورنر کو لکھ بھیجا کہ اس خط کا لکھنے والا اگر زندہ ہے تو اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، اور اگر مر گیا ہے تو اسے قبر سے نکال کر میری بارگاہ میں بھیج دو۔ بحرین کا گورنر اگرچہ نبی کریم کا احترام کرتا تھا لیکن مجبوراً اس نے دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیے اور سارا معاملہ آپ کے گوش گزار کیا، آپ نے آنے والوں سے فرمایا:

کیا تم مجھے پکڑنے آئے ہو، آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو نیست و نابود کردیا ہے۔[٢٥]

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے معبودِ باطل شاہِ ایران کا خاتمہ فرمادیا ہے، ہوا یوں کہ شاہِ ایران کے بیٹے نے حکومت وسلطنت کے لالچ میں اپنے والد کو قتل کردیا ، ادھر والد نے ایک دوائی والی شیشی پر جو قوتِ باہ کے لیے مفید تھی اور وہ اسے بوقتِ

ضرورت استعمال کرتا تھا "سمِ قاتل" کا لیبل لگایا ہوا تھا، اور ایک شیشی میں زہر ڈال کر اس پر قوتِ باہ کے لیے استعمال ہونے والی دوا کا نام لکھا ہوا تھا، کچھ دنوں بعد شہوت پرست شہزادے نے اس زہر والی شیشی میں سے زہر کا کچھ حصہ قوتِ باہ کی دوا سمجھ کر کھایا اور وہ بھی مر گیا، یوں باپ بیٹے کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنا اور بیٹا باپ کی کارستانی سے واصلِ جہنم ہوا، اس طرح آپ کے خط مبارک کی گستاخی کرنے والی کی نسل ہی ختم ہو کر رہ گئی۔[۲۵ ـ الف]

بعد میں انہوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرءة﴾ "جو قوم اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی" [۲۶]

سلطنت کا حال یہ ہوا کہ فارس کا اکثر حصہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا، دارِ اسلام بنا، اور فارس کا آخری حکمران یزدجرد حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ختم ہوا اور بچے کھچے علاقے بھی سلطنتِ اسلام کا جزو بن گئے۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کا وہ غیبی فرمان بھی پورا ہو گیا کہ ﴿هلك کسری فلا کسری بعده واذا هلك قیصر فلا قیصر بعده﴾ "کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا" [۲۷]

ایران کے باشاہ کا لقب "کسریٰ" ہوا کرتا تھا جبکہ "قیصر" روم کے بادشاہ کا لقب تھا، آپ نے پہلے ہی یہ پیش گوئی فرما دی تھی کہ جب کسریٰ ختم ہوگا تو کوئی ماں اور کسریٰ کو جنم نہ دے سکے گی اور جب قیصر کا خاتمہ ہوگا تو کوئی اور قیصر روئے زمین پر نہ

آسکے گا۔

فارس کے بادشاہ نے جب آپ ﷺ کے خط مبارک کی توہین کی اور اسے پھاڑا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ جس طرح اس نے میرے خط کو پرزے پرزے کیا ہے اس کی سلطنت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔[۲۸]

آپ کے یہ الفاظ کن کی کنجی، لوحِ محفوظ کی تحریر اور تیرِ قضا بن کر نکلے اور وہی کچھ ہوا جس کی آپ نے نشاندہی فرمائی تھی۔

ایک مہینے کی مسافت تک رعب عطا فرمانے کا مفہوم:

اس میں نبی کریم ﷺ نے ایک قید بھی ذکر فرمائی ہے کہ مجھے ایک مہینے کی مسافت تک رعب سے نوازا گیا ہے، میرا دشمن مجھ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہو تو اس میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اس مدت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ فارس، روم اور حبشہ ان تینوں سلطنتوں کے صدر مقام، ان سلطنتوں کے وہ شہر جنہیں دار الخلافہ بنایا گیا تھا ان کی مدینہ منورہ سے مسافت تقریباً ایک ایک ماہ کی تھی، گویا آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے اپنے دار السلطنت میں بیٹھ کر میرے رعب سے لرزہ براندام ہیں، ان کے پتے پانی ہوے جاتے ہیں اور انہیں یہ جراءت نہیں کہ وہ میرے خلاف کسی کاروائی کا سوچ بھی سکیں۔

ایک اشکال:

اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ایک ایک ماہ کی مسافت پر موجود دشمن تو

آپ سے اس قدر مرعوب ہیں کہ حملہ کرنے کی جراءت نہیں کر رہے، کانپ رہے ہیں، لیکن اہلِ مکہ، قریش یا قریبی قبائل آپ کے خلاف سازشوں اور ایذاء رسانی میں مصروف ہیں، تبلیغ کے امور میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں، جنگیں لڑ رہے ہیں۔ آپ کو شہید کرنے اور ملک بدر کرنے کے پروگرام بنا رہے ہیں، اگر دور والے مرعوب ہیں تو قریب والوں کو تو اور زیادہ مرعوب ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ ان کا معاملہ اس سے مختلف نظر آتا ہے؟؟؟

پہلا جواب:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان قریب والوں کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ ان کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون، خاندان اور نسب ایک ہے، جراءت، بہادری، حوصلہ سب کو ورثے میں ملا ہے، سب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی اولاد ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوت وطاقت کے جوہر دکھانے کے لیے میدانِ جنگ میں اترتے تو اسی نسب کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

میں برحق نبی ہوں اور میں عبدالمطلب جیسے بہادر کی اولاد ہوں۔[۲۹]

اس نسبی ورثے اور موروثی بہادری اور حوصلے کی بناء پر انہیں یہ جراءت ہو جاتی تھی کہ وہ تخریبی کاروائیوں کا ارتکاب کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ اعزاز ابھی تازہ تازہ حاصل ہوا ہے کہ اللہ تعالی

نے ابرہہ جیسے جابر بادشاہ اور اس کی ہاتھیوں پر مشتمل فوج سے قریش کے مال و اسباب اور اراضی کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے محفوظ رکھا، اس تفاخر کی وجہ سے بھی انہیں یہ جراءت ہو رہی ہے۔

دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کی اس جراءت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور اسلام کی شوکت کا ایک عظیم پہلو ہے۔ مثلاً جنگِ بدر ہی کو لے لیجیے، اگر کفارِ قریش حملہ کرنے کی جراءت نہ کرتے، تو شاید اسلام کی اتنی عظمت ظاہر نہ ہوتی جو جنگِ بدر میں ہوئی، ایک طرف تین سو تیرہ (۳۱۳) نہتے، فاقہ سے نڈھال اسلحہ بلکہ چھڑی تک سے خالی انسان، دوسری طرف ایک ہزار سے زائد اسلحہ اور مال و اسباب سے لیس جنگجو موجود ہیں، اور نتیجہ یہ ہے کہ ستر کفار قتل ہوئے، ستر قیدی بنائے گئے، انتہائی قیمتی مال و متاع چھوڑ کر لشکرِ کفار بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ذلت و خواری ان کا مقدر بنی، اسلام کا رعب دلوں پر چھا گیا اور اہلِ عالم پر اہلِ اسلام کے رعب و جلال کا وہ سکہ بیٹھ گیا جو شاید بصورتِ دیگر نہ بیٹھتا۔ [۳۰]

یہ ایک مثال پیش کی گئی ہے باقی غزوات اور سرایا کی تفاصیل ملاحظہ فرمانے سے اس قسم کی کئی مثالیں سامنے آتی ہیں۔

تیسری خصوصیت، مالِ غنیمت کا آپ کے لیے حلال ہونا:

پہلی امتوں میں قانونِ الٰہی یہ تھا کہ کفار سے جنگ میں جو مال ہاتھ آتا اس

میں سے جاندار اشیاء، مثلاً لونڈیاں، غلام، گھوڑے، اونٹ، خچر وغیرہ جہاد کرنے والوں میں بطورِ غنیمت بانٹ دیے جاتے لیکن بے جان اشیاء مثلاً سونا، چاندی، جواہرات، اعلیٰ قیمتی کپڑے وغیرہ اس طرح کی چیزوں کو ایک میدان میں رکھ دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور انہیں جلا کر راکھ بنا دیتی۔ اگر اس مال میں کسی نے خیانت کی ہوتی تو وہ آگ قریب آ کر بغیر اس مال کو جلائے واپس پلٹ جاتی۔ خود انبیائے کرام کو مالِ غنیت میں سے کوئی چیز لینے کی اجازت نہ تھی۔[۳۱]

اس حکمِ الٰہی میں دو پہلو قابلِ غور ہیں:

ایک یہ کہ اس سے انتفاع جائز نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ خیانت کی صورت میں راز کھول دیا جاتا، اور سب کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا، جیسا کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں ہوا، آپ نے فلسطین کے پرانے باسیوں کے ساتھ جنہیں جبارین کہا جاتا ہے جنگ لڑی، جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس میں گائے کے سر کے برابر سونے کا ٹکڑا بھی تھا، کچھ لوگوں نے سوچا کہ یہ اتنا زیادہ ہے کہ ہماری نسلیں بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکتی ہیں، آگ آئے اور اسے راکھ بنا دے تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا، چنانچہ انہوں نے وہ سونا چھپا لیا۔ آگ آئی اور مالِ غنیمت کے ڈھیر کے قریب آ کر بغیر جلائے واپس پلٹ گئی یہ اس بات کی علامت تھی کہ مالِ غنیمت کے معاملے میں بد دیانتی کی گئی ہے، حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ سب قبائل کے سردار میرے ساتھ مصافحہ کریں جس قبیلے کے فرد نے خیانت کی ہے اس قبیلے کے سردار کا ہاتھ مصافحہ کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے چمٹ جائے گا، سب سردار اکھٹے ہوئے ایک

سردار کا ہاتھ سلام لیتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے چمٹ گیا، اس قبیلے کے تمام افراد کو بلایا گیا، جن افراد نے بددیانتی کی تھی انہوں نے اعتراف جرم کیا، ان سے وہ سونا لے کر واپس اس ڈھیر کے اوپر رکھا گیا تو آگ پھر نمودار ہوئی اور سارے ڈھیر کو جلا کر راکھ بنا دیا۔[۳۲]

ایک طرف اللہ تبارک وتعالی کا سابقہ امتوں اور پیغمبرانِ کرام کے لیے یہ حکم نامہ ہے اور دوسری طرف نبی کریم ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالی نے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا اور فرمایا ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (الانفال:۴۱)

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالی، اس کے رسول، ذی القربی، یتامی، مساکین اور مسافروں کے لیے رکھا جائے گا اور باقی چار حصے مسلمان مجاہدین اور غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کے اس اعزاز اور خصوصیت کے کئی پہلو ہیں:

(۱) آپ کو خود مالِ غنیمت استعمال کرنے کی اجازت دی گئی جب کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ حق حاصل نہ تھا، وہ مالِ غنیمت میں آنے والی کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اگر کوئی جاندار چیز انہیں پسند آتی تو اپنے امتیوں سے خرید کر اپنے استعمال میں لاتے۔

(۲) آپ کے تصدق سے مسلمان مجاہدین کو بھی مالِ غنیمت استعمال کرنے اور اس سے مستفید ہونے کی اجازت عطا کی گئی۔

(۳) آپ کو یہ حق بھی عطا کیا گیا کہ آپ مالِ غنیمت میں سے جس چیز کو چاہیں اپنے لیے خاص فرمالیں، کسی اور کے لیے اس معاملے میں دخل کی کوئی صورت نہ ہو، اور کوئی مجاہد یا غانم اس کو نہیں لے سکتا۔

(۴) اس اعزاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مسلمان مجاہدین میں سے کسی ایک کے لیے کسی خاص مقدار میں مالِ غنیمت کا اعلان فرمادیں، مثلاً آپ کا فرمان ﴿من قتل قتيلا فله سلبه﴾ جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کافر کے ہتھیار اور اس کے پاس موجود دراہم و دینار اس قتل کرنے والے مجاہد کو ملیں گے۔[۳۳]

(۵) بعض مواقع پر آپ نے اس طرح کا اعلان فرمایا کہ جو مجاہدین پہلے دشمن کے قلعے کے اندر پہنچیں گے یا پہلے دیوار پر چڑھیں گے یا پہلے اندر پہنچ کر قلعے کا دروازہ کھول دیں گے انہیں اتنا حصہ دیا جائے گا۔

یہ سارے حقوق اور امتیازات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے جو دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو عطا نہیں فرمائے گئے۔

آیئے اس خصوصیتِ نبوی میں ایک اور پہلو سے غور کرتے ہیں:

آج ہماری لاکھوں پر مشتمل افواج پر ملکی آمدنی اور قومی سرمایے کا کتنا بڑا حصہ خرچ ہو رہا ہے، لیکن جنگی ضرورت اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے پوری فوج کا استعمال کئی کئی دہائیوں تک عمل میں نہیں آتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں فوج کا طریقۂ کار یہ تھا کہ مجاہدین کی جنگی صلاحیت ہر وقت مکمل ہوتی تھی، ٹریننگ مضبوط ہوتی تھی، لیکن وہ عام حالات میں اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے، اپنی معاش

ضرورتوں کی کفالت خود کرتے۔ جب جنگ کی اور دفاع کی ضرورت محسوس ہوتی انہیں بلالیا جاتا، ان سب کو بتا دیا گیا تھا کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو جنگ کی صورت میں دشمن کے مال سے وصول ہوگا، حالتِ امن میں اس فوج پر قومی خزانے کا ایک درہم بھی خرچ نہیں ہوتا تھا، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان جب رضائے خدا کو مدِ نظر رکھ کر جنگ کے لیے نکلتے تھے تو فتح ان کے قدم چومتی تھی، نصرتِ خداوندی ان کے شاملِ حال ہوتی، بڑے سے بڑے دشمن کو شکست دے کر وہ مالِ غنیمت کی بڑی مقدار ساتھ لاتے۔

صحابہ کرام کی حالت یہ تھی کہ ایک وقت میں کسی کے پاس ایک درہم نہیں اور دوسرے وقت میں اتنے دینار مالِ غنیمت سے ملے ہیں کہ انہیں بوریوں میں ڈال کر گھر کے کسی کمرے میں پھینک دیا گیا ہے۔ اس طرح مالِ غنیمت کے استعمال کی اس خصوصیت نے امت کو ایک عظیم مالی لاگت سے بچایا اور مسلمان مجاہدین کے لیے اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ معاش کا ایک بہترین ذریعہ ہاتھ آ گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں جو آخری جنگ لڑی وہ ہوازن کی جنگ تھی، اس جنگ میں کافروں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا، وہ اسلحہ کے علاوہ اپنی بیویاں۔ بچے، لونڈیاں، جانور، مال و اسباب، دراہم و دینار، سونا چاندی غرض سب کچھ لے کر میدانِ جنگ میں آ گئے، تاکہ جو بزدلی کی بناء پر پیٹھ پھیرنے لگے اسے معلوم ہو کہ پیچھے میرے لیے کام آنے والی کوئی چیز باقی نہیں۔ یوں انہوں نے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا آخری حربہ بھی آزما ڈالا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے مال و اسباب کو دیکھ کر فرمایا کہ کل ان شاء اللہ یہ سارا

مال بطورِ غنیمت ہمارے پاس ہوگا، اگلے دن اہلِ اسلام فتح یاب ہوئے اور اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک آدمی کو سو سو اونٹ دیے گئے، کسی کو ہزار بھیڑ بکریاں دی گئیں، کسی کو دس ہزار درہم دیے گئے، صرف ایک دن کے قلیل عرصے میں اللہ تعالی نے اتنا بڑا خزانہ اہلِ اسلام کو عطا فرما دیا۔[٣٤]

خلاصہ یہ ہے کہ اس خصوصیت سے گونا گوں فوائد حاصل ہوئے:

(۱) مجاہدین کے لیے اسبابِ معیشت کا مہیا ہونا۔

(۲) اس مال کو کا کام میں آ جانا، نافع بننا۔

(۳) خیانت کرنے والوں کی خیانت پر ستر اور پردہ کا قائم رہنا اور ان کے راز کا اس دنیا میں فاش نہ ہونا، اور ان کا شرمندگی اور رسوائی سے محفوظ ہونا۔

(۴) اسلامی خزانے پر سے ایک بہت بڑے بوجھ کا اٹھ جانا۔

ان گزارشات کی روشنی میں اس خصوصیت کی شان کھل کر سامنے آ گئی۔ اب ہم حدیثِ پاک میں بیان فرمودہ چوتھی خصوصیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت:

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ﴿جعلت لی الارض مسجدا و طهورا﴾

''میری خاطر زمین کو مسجد اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا''

پہلی امتیں عبادت کے لیے خاص مکانات تیار کرتی تھیں، ان مکانات کے علاوہ کسی جنگل، ویرانے یا صحرا میں انہیں نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔[٣٥]

لیکن نبی کریم ﷺ کے طفیل تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا، آپ کا کوئی امتی جنگل، صحرا، چٹیل میدان یا ویرانے میں جا رہا ہو جہاں چاہے نماز ادا کر سکتا ہے۔ نماز کا وقت ہونے پر اذان کہے، اقامت کہے اور نماز پڑھے اگر وہاں کوئی اور موجود نہیں تو کراما کاتبین، اس کی حفاظت پر مامور فرشتے، رجال الغیب اور مسلمان جنات اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں گے اور اس کی یہ نماز صحیح اور درست ہوگی، بلکہ مساجد میں پڑھی جانے والی نماز کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ ثواب کا حق دار بن جائے گا۔

﴿مسجدا﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ تمام روئے زمین میں آپ کی بدولت پاکیزگی اور جائے نماز بننے کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے، اگر کسی جگہ میں کوئی مانع ہے، مثلاً گندگی لگی ہوئی ہے، یا مقبرہ بنا دیا گیا ہے، حمام یا بیت الخلاء بنا دیا گیا تو ان جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ان رکاوٹوں کی وجہ سے ہے، اگر وہاں سے گندگی ہٹا دی جائے تو نماز پڑھنا درست ہو جائے گا۔

اس خصوصیت کے فیضان کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ ایک آدمی محوِ سفر ہے، نماز کا وقت آ گیا، نماز فرض ہے اس کی ادائیگی لازم ہے، اگر تمام روئے زمین مسجد نہ ہوتی تو دو ہی صورتیں تھیں، ایک یہ کہ نماز چھوڑ دے اور حرام کا مرتکب ہو، یا مکان کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتا پھرے، یا نیا مکان بنائے، اس میں کس قدر تنگی اور مشکل تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے صدقے اس تنگی کو آسانی اور سہولت کے ساتھ تبدیل فرما دیا۔

زمین میں دوسری تبدیلی یہ پیدا کی گئی کہ زمین کی مٹی کو پانی کا قائم مقام

اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا۔ اگر کسی کو پانی نہیں ملتا، یا اتنا ملتا ہے جو صرف کھانے پکانے اور پینے کی ضروریات کو ہی پورا کر سکتا ہے یا کوئی آدمی پانی کو استعمال کرنے پر قادر نہیں، کسی بیماری، درد، یا خوف وغیرہ میں مبتلا ہے، ایسے آدمی کے لیے فرمایا گیا ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (النساء:۴۳) ''اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کے ساتھ تیمم کرلو''

اس انفرادی شان کی عظمتیں اور منافع اس قدر ہیں کہ اگر کسی کو چھ ماہ یا سال تک پانی نہ ملے تو وہ وضو اور غسلِ جنابت کی جگہ تیمّم کر سکتا ہے۔

آیتِ تیمّم کا شانِ نزول اور شانِ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

نبی کریم ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، صحابۂ کرام بھی ہمراہ تھے، راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، جب وہاں سے روانگی کا وقت ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی، یارسول اللہ میرا ہار گم ہو گیا ہے، یہ ہار انہوں نے حضرت اسماء سے مانگا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کو ہار تلاش کرنے کا حکم دیا اور خود حضرت عائشہ کی گود میں سرِ انور رکھ کر آرام فرمانے لگے، اور اتنی گہری نیند سوئے کہ آپ نے نمازِ تہجد بھی ادا نہ فرمائی۔

صبح ہو گئی، ہار نہ مل سکا، نماز کا وقت آ گیا، صحابۂ کرام کے پاس پانی موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس جگہ میں یا قرب وجوار میں پانی موجود تھا، صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہاری بیٹی نے نبی کریم ﷺ کو بھی یہاں روک رکھا ہے اور ہم

بھی یہاں پابند ہیں، وضو کے لیے پانی نہیں مل رہا، حضرت ابوبکر صدیق جلال میں آگئے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے غیظ وغضب کا اظہار کیا، اسی دوران نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور تیمم کے احکام اترے، اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر پکار اٹھے ﴿ما ھی باول بر کتکم یا آل ابی بکر﴾ اے ابوبکر صدیق کی لختِ جگر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں جو ظاہر ہوئی ہے، اس سے پہلے بھی جب کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جو تمہیں ناپسند آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لیے آسانی پیدا فرما دی اور امت کے لیے بہتری اور بھلائی کا سامان کر دیا۔[۳۶]

آیتِ تیمم نازل ہوئی، سب نے تیمم کر کے نماز پڑھی، جب روانگی کے لیے اونٹوں کو اٹھایا گیا تو اونٹ کے نیچے سے حضرت عائشہ صدیقہ کا وہ گمشدہ ہار بھی مل گیا۔

قرآنِ مجید کے احکام، اس کی آیاتِ بینات یک بارگی نازل نہیں ہوئی بلکہ موقع کی مناسبت اور کسی تقریب خاص کے پیشِ نظر نازل ہوتی رہیں، کوئی سبب بنتا اور اس کے مناسب احکام اتارے جاتے، تیمم کے احکام کے نزول کا سبب حضرت عائشہ صدیقہ ٹھہریں، آپ کا ہار گم ہوا، اس کے تلاش کرنے میں دیر ہوئی، پانی نہ مل سکا تو پھر یہ احکام نازل ہوئے گویا یہ برکت پوری امت کو حضرت عائشہ صدیقہ کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔

منکرینِ کمالاتِ نبوت کے لیے تنبیہِ عظیم:

کچھ لوگوں کو اس واقعہ میں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کی بجائے یہ انوکھی بات دکھائی

دی کہ اگر انہیں علمِ غیب ہوتا تو صحابہ کرام کو بتا دیتے، یا خود اونٹ کے نیچے سے ہار نکال لاتے، معلوم ہوا کہ انہیں علمِ غیب نہیں۔

ان لوگوں سے سوال ہے کہ کیا اللہ تعالی کو علمِ غیب ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے! کیا اسے اپنے نبی ﷺ سے کوئی ہمدردی نہیں؟ یقیناً ہے! تو پھر اللہ تعالی نے کیوں نہ بتایا کہ ہار اونٹ کے نیچے ہے؟ یقیناً اللہ تعالی کے نہ بتانے میں حکمت تھی اور وہی حکمت نبی کریم ﷺ کے نہ بتانے میں بھی تھی کہ اسی طرح صبح کا وقت آئے، پانی نہ ملے، تیمم کے احکام نازل ہوں، قیامت تک آنے والی امت اس سہولت سے فیض یاب ہو، اور میری پاک دامن بیوی کو بھی یہ اعزاز ملے کہ اس کی بدولت یہ آسانی اور سہولت پوری امت کو عطا فرما دی گئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اعتراض تب ہو جب نبی کریم ﷺ نے خود تلاش کیا ہو اور نہ ملا ہو، جب آپ نے تلاش ہی نہیں کیا، آپ آرام فرما ہو گئے، آپ نے تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں فرمائی، تو پھر اس اعتراض کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ وہ صحابہ کرام جنہوں نے صبح بوقتِ روانگی ہار تلاش کر لیا اور اونٹ کے نیچے سے انہیں ہار دستیاب ہو گیا، رات کو انہیں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ یہاں بھی دیکھ لینا چاہیے؟ دراصل معاملہ یہ تھا کہ مذکورہ حکمت کے اظہار کی خاطر اللہ تعالی نے ان کی توجہ اور نبی کریم ﷺ کی توجہ اس طرف سے ہٹا دی تاکہ یہ سارا واقعہ رونما ہو اور اس پر مذکورہ ثمرات مترتب ہوں۔

علمائے متقدمین کا بیان فرمودہ قاعدۂ محبت و تکریم:

اس مقام پر علمائے متقدمین کا بیان فرمودہ ایک قاعدۂ ادب و تکریم ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یوں کہے کہ فلاں بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہیں تھی۔ اس لیے کہ نہ تو اس نے آپ کے تمام معلومات کا احاطہ کیا، نہ آپ کے قلبِ اطہر کے تمام علوم کو پرکھ لیا، نہ ہی اس پر وحی نازل ہوئی کہ فلاں بات انہیں معلوم نہیں تھی، لہذا اس میں قصور خود اس کے علم کا ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کے علم پاک کی کمی اس سے لازم آتی ہے، لہذا لازم اور ضروری ہے کہ حدِ ادب سے تجاوز نہ کرے، اگر کہنا ہی ہو تو یوں کہے کہ مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی کریم ﷺ کو فلاں بات کا علم تھا، نبی کریم ﷺ کی شانِ علم کو گھٹانے کی کوشش کرنا اور اس کے لیے دلائل کی تلاش میں رہنا یہ امتی کی شان نہیں۔[۳۷]

یہاں تک چار خصائص بیان کیے گئے۔ اگلے دو خصائص ﴿ارسلت الی الخلق کافۃ﴾ "مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا" اور ﴿ختم بی النبیون﴾ "مجھ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا گیا" انتہائی تفصیل کے متقاضی ہیں۔ کسی اور نشست میں ان کے متعلق گزارشات پیش کی جائیں گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات وحواشی:

(۱) حدیثِ خصائص اور کتبِ حدیث:

یہ حدیثِ مبارکہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے علاوہ متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔ بعض روایات میں چھ کے بجائے پانچ خصائص کا ذکر ہے، بعض روایات میں حدیثِ ابو ہریرہ میں مذکور خصائص کے علاوہ دیگر خصائص کا ذکر بھی ہے۔

(۱) بروایتِ سیدنا ابو ہریرہ ﷺ:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صحیح مسلم: المساجد ومواضع الصلاۃ: ۸۱۲

اس روایت میں ﴿مسجدا وطہورا﴾ کی جگہ ﴿طہورا ومسجدا﴾ کے الفاظ ہیں۔

(۲) سنن ترمذی: السیر: ۱۴۷۴

اس میں بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو حضرت اشرف العلماء نے ذکر فرمائے ہیں۔

(۳) مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۸۹۶۹

اس روایت میں مذکورہ الفاظ کے علاوہ درج ذیل اضافہ بھی ہے:

﴿مثلی ومثل الانبیاء علیهم الصلاة والسلام کمثل رجل بنی قصراً فاکمل بنائه واحسن بنیانه الا موضع لبنة فنظر الناسالی القصر فقالوا ما احسن بنیان هذا القصر لو تمت هذه اللبنةفکنت انا اللبنة﴾

''میری اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک آدمی نے انتہائی خوبصورت اور شاندار محل تعمیر کروایا لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ محل کو دیکھتے اور کہتے یہ محل کتنا شاندار ہے کاش یہ اینٹ کی جگہ مکمل کر دی جاتی وہ اینٹ میں ہوں، وہ اینٹ میں ہوں۔

(۴) مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۰۱۱۳

اس میں چار خصائص کا ذکر ہے۔ رعب و جلال۔ زمین کا مسجد اور مطہر بننا۔ جوامع کلم ۔خزائن کی چابیوں کا عطا فرمایا جانا

(۲) بروایتِ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

(صحیح بخاری: التیمم: ۳۲۳/صحیح مسلم: المساجد: ۸۱۰/صحیح بخاری: الصلاۃ: ۴۱۹/سنن دارمی: الصلاۃ: ۱۳۵۳/مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۳۷۴۵/سنن نسائی: الغسل والتیمم: ۴۲۹)

اس روایت میں پانچ خصائص کا ذکر ہے۔ جوامع الکلم اور ختمِ نبوت کی خصوصیت کی جگہ شفاعت والی شان کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) بروایتِ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

اس میں چار خصائص کا ذکر ہے۔ نصرت بالرعب۔ مفاتیح خزائن کا عطا کیا جانا۔ زمین کا مسجد اور مطہر بننا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا خیر الامم ہونا۔

(مسندِ احمد: مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ: ۷۲۴)

(٤) بروایتِ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

اس میں پانچ خصائص کا ذکر ہے۔ رعب۔ زمین کا مسجد اور مطہر ہونا۔ حلتِ غنائم ۔بعثتِ عامہ۔ شفاعت

(سنن دارمی: السیر: ۲۳۵۸/مسندِ احمد: مسند الانصار: ۲۰۳۳۷،۲۰۴۶۳)

(٥) بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

اس میں بھی پانچ خصائص مذکور ہیں۔

(مسندِ احمد: مسندِ بنی ہاشم: ۲۱۳۳، ۲۶۰۶)

(٦) بروایتِ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

اس میں بھی پانچ خصائص کا ذکر ہے۔

(مسندِ احمد: مسند الکوفیین: ۱۸۹۰۲/ مسندِ احمد: مسند الانصار: ۲۰۳۵۲)

(۲) وجود میں آپ ﷺ کا تمام مخلوق پر تقدم

الخصائص الکبری ۱/ ۷،، جواہر البحار،، مواہب لدنیہ وغیرہا من الکتب

(۳) نبوت کے لحاظ سے تمام انبیائے کرام پر تقدم

الخصائص الکبری ۱/ ۷

(۴) قبر انور سے آپ کا سب سے پہلے تشریف لانا

﴿انا اول من ینشق عنه القبر﴾

صحیح مسلم: الفضائل: ۴۲۲۳/ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۰۵۴۹

(۵) شفاعت فرمانے کے لحاظ سے سب پر اولیت

الخصائص الکبری ۲/ ۳۷۶

(۶) شفاعت قبول ہونے میں اولیت

الخصائص الکبری ۲/ ۳۷۶

(۷) مقامِ محمود، شفاعتِ کبری اور وزارت عظمی کی شان

الخصائص الکبری ۲/ ۳۷۶

(۸) لواء الحمد کی شان ملاحظہ ہو حوالہ حاشیہ (۹)

(۹) جنت کا دروازہ کھلوانا

آپ ﷺ کا فرمان ہے ﴿انا اول من یحرك حلق الجنة﴾

ترمذی: المناقب: ۳۵۴۹، الخصائص الکبری ۲/ ۳۸۸

(۱۰) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا

الخصائص الکبری ۲/ ۳۸۸

(۱۱) آپ کی امت کا سب امتوں سے پہلے جنت میں جانا

الخصائص الکبری ۲/ ۳۹۱

(۱۲) ظاہر و باطن پر آپ کی حکم رانی

الخصائص الکبری ۲/ ۴۵۹ ۔۔۔ الخصائص الکبری ۲/ ۳۳۱

(۱۲۔الف) قاسم نعم الہیہ ہونے کی شان

آپ ﷺ کا فرمان ہے ﴿انما انا قاسم والله یعطی﴾ ”میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے“

صحیح بخاری: العلم: ۶۹/ صحیح مسلم: الزکاۃ: ۱۷۲۱

(۱۳) جامع علومِ انبیاء علیهم الصلاۃ والسلام

مدارج النبوت ۱/ ۱۶۹

(۱۴) قبر میں آپ کے بارے میں سوال کیا جانا

الخصائص الکبری ۲/ ۳۲۵

(۱۵) عدد اقل، اکثر کا نافی نہیں ہوتا

امام قسطلانی، شارح بخاری (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

﴿ولعله اطلع اولا علی بعض ما اختص به ثم اطلع علی الباقی، والا فخصوصیاته ﷺ کثیرة والتنصیص علی عدد لا یدل علی نفی ما عداه﴾

”ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے پہل اپنے انہی خصائص پر مطلع کیا گیا ہو، باقی خصائص بعد میں بتائے گئے ہوں اس لیے آپ نے ان خصائص کا ذکر فرمایا ورنہ آپ ﷺ کے خصائص بہت زیادہ ہیں، اور کسی ایک معین عدد کا ذکر اس سے زیادہ کی نفی کرتا“

(ارشاد الساری ا/۵۷۷)

(۱۶) ﴿اعطیت جوامع الکلم﴾ کی پہلی تفسیر

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری جوامع الکلم کا یہ معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ایجاز الکلام فی اشباع من المعنی فالکلمۃ القلیلۃ الحروف منھا تتضمنکثیرا من المعانی وانواعاً من الکلام﴾

(مرقاۃ ۱۰/۴۲۷)

''جوامع الکلم ان کلمات کو کہا جاتا ہے جو مختصر الفاظ والے ہوں لیکن معانی سے بھرے ہوئے ہوں، اس طرح کے کلمات قلیل حروف پر مشتمل ہونے کے باوجود بے شمار معانی اور لاتعداد مطالب کو متضمن ہوتے ہیں''

نیز فرمایا:

﴿وقد جمعت اربعین حدیثاً من الجوامع الواردۃ علی الکلمتین اللتین ھما اقل مما یتصور منه ترکب الکلام ویتأتی منه اسناد المرام نحو قوله علیه السلام المستشار مؤتمن وامثال ذلك﴾ (ایضاً)

''میں نے جوامع الکلم میں سے چالیس ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جو صرف دو کلمات پر مشتمل ہیں، اور یہ کلام کی مختصر ترین صورت ہے، لیکن صرف دو کلمات پر مشتمل ہونے کے باوجود ان سے مقصد پوری طرح حاصل ہو رہا ہے''

نوٹ:

الامام العلامۃ زین الدین عبد الرحمن بن احمد بن رجب البغدادی الحنبلی رحمہ اللہ تعالی (م۷۹۵ھ) نے ایک کتاب تصنیف فرمائی ﴿جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم﴾ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پچاس

رشاداتِ عالیہ کی شرح فرمائی جو جوامع الکلم میں شمار ہوتے ہیں، ۵۳۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دارالکتاب العربی۔ بیروت سے ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی ہے۔

(۱۷) ﴿الدین النصیحہ﴾

یہ حدیثِ پاک حضرت ابو ہریرہ، حضرت تمیم داری، حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) بروایتِ سیدنا ابو ہریرہ ﷛:

سنن نسائی: البیعۃ: ۴۱۲۸، ۴۱۲۹/ سنن ترمذی: البر والصلۃ: ۱۸۴۹/ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۷۶۱۳

(۲) بروایتِ حضرت تمیم داری ﷛:

صحیح مسلم: الایمان: ۸۲/ مسندِ احمد: مسند الشامیین: ۱۶۳۳۲، ۱۶۳۳۳، ۱۶۳۳۶، ۱۶۳۳۷

(۳) بروایتِ حضرت عبد اللہ ابن عباس ﷛:

مسندِ احمد: مسند بنی ہاشم: ۳۱۱۱

(۴) بروایتِ حضرت عبد اللہ ابن عمر ﷛:

سنن دارمی: الرقاق: ۲۶۳۶

فائدہ جلیلہ:

امام ابن رجب حنبلی اس حدیث کی جامعیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

امام ابوداؤد صاحبِ سنن فرماتے ہیں "فقہ کا دارومدار پانچ احادیث پر ہے" ان میں سے چوتھے درجہ میں اس حدیث پاک کو ذکر فرمایا۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۴)

(۱۸) ﴿انما الاعمال بالنیات﴾

صحیح بخاری :بدء الوحی :۱/صحیح مسلم :الامارۃ:۳۵۳/سنن ترمذی: فضائل الجہاد :
۱۵۷/سنن نسائی :الطہارۃ:۷۴/سنن نسائی : کتاب الطلاق:۳۳۸۳/سنن نسائی :الایمان
والنذور:۳۷۳۴/ابو داؤد: الطلاق:۱۸۸۲/ابن ماجہ :الزہد:۴۲۱۷/مسندِ احمد:مسند العشرۃ
المبشرین بالجنۃ:۲۸۳،۱۶۳

فائدہ جلیلہ:

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں، ان میں سے اپنی سنن کے لیے (۴۸۰۰) احادیث کا انتخاب کیا، ان میں سے چار حدیثیں انسان کے دین کے لیے کافی ہیں"

اس کے بعد پہلے درجہ میں اس حدیث پاک کو ذکر فرمایا۔ (جامع العلوم والحکم ص:۱۴)

مزید فرماتے ہیں:

امام احمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "اسلام کا دارومدار تین احادیث پر ہے" ان میں سے سب سے پہلے اس حدیث کو شمار کیا۔ (جامع العلوم والحکم ص:۱۳)

(۱۹) ﴿اعطیت جوامع الکلم﴾ کی دوسری تفسیر

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

﴿وفی شرح السنۃ ،وقیل جوامع الکلم ھی القرآن ۔جمع اللہ سبحانہ بلطفہ معانی کثیرۃ فی الفاظ یسیرۃ﴾ (مرقاۃ ۱۰/۴۲۷)

(۲۰) مامون الرشید کے پاس لائے جانے والے بچے کی صفات

(۲۱) امام سیوطی کا فرمان الاتقان میں

الاتقان فی علوم القرآن ۲/ ۴۰۷:النوع الثامن والسبعون

(۲۲) غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک کی تمام تر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (السیرۃ الحلبیۃ ۳/۱۲۹)

(۲۳) ﴿اسلم تسلم﴾

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، کتبِ حدیث میں آپ کے مکتوب گرامی بھیجنے کا واقعہ مفصل طور پر موجود ہے، حضرت دحیہ یہ مکتوب مبارک مبارک لے کر گئے، اس وقت ابوسفیان وہاں موجود تھے۔ شاہِ روم نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور دیگر امور سے متعلق سوالات کیے۔ اور آخر میں کہا ﴿فان كان ما تقول حقا فسيملك موضع قدمي هاتين...... ولو انى اعلم انى اخلص اليه لتجشمت لقاءه ولو كنت عنده لغسلت عن قدمه﴾

"جو کچھ تم ان کے بارے میں کہہ رہے ہو اگر یہ واقعی سچ ہے تو عن قریب وہ اس جگہ کے مالک بن جائیں گے جس پر میں کھڑا ہوں...... اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میں جان بچا کر ان تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ضرور ایسا کرتا، اور اگر میں ان کے قریب ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا"

صحیح بخاری: بدء الوحی: ۶/ مسلم: الجہاد و السیر: ۳۳۲۲/ ترمذی: الاستئذان: ۲۶۴۱/ ابو داؤد: الادب: ۴۴۷۰/ مسندِ احمد: مسندِ بنی ہاشم: ۲۲۵۲/ صحیح بخاری: الجہاد والسیر: ۲۷۲۳/ صحیح بخاری: تفسیر القرآن: ۳۱۸۸

یاد رہے کہ قیصر روم کے الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ وہ تو خلوص قلب سے ایمان لانے پر تیار تھا مگر ملکی حالات و معاملات کے پیشِ نظر ایمان نہ لا سکا، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

﴿ولا عذر له فى هذا لانه قد عرف صدق النبى صلى الله عليه وسلم وانما شح بالملك فطلب الرياسة وآثرها على الاسلام ولو اراد الله هدايته لوفقه كما وفق

النجاشی وما زالت عنه الرياسة﴾

''اس معاملے میں اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ، اس لیے کہ اس پر نبی کریم ﷺ کی حقانیت واضح ہو چکی تھی لیکن وہ حکومت کے لالچ میں پڑ گیا اور اسے اسلام پر فوقیت دی اگر اللہ تعالی کو اس کی ہدایت منظور ہوتی تو اللہ تعالی اسے ایمان لانے کی توفیق دے دیتا جیسا کہ نجاشی کو عطا فرمائی اور ملک بھی اس کے ہاتھوں سے نہ جاتا''

حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں:

﴿لو تفطن هرقل لقوله عليه السلام فی الكتاب اليه ''اسلم تسلم''وحمل الجزاء على عمومه فی الدنيا والآخرة لسلم لو اسلم من كل ما يخافه ولكن التوفيق بيدالله﴾

''اگر ہرقل نبی کریم ﷺ کے مکتوب مبارک کے الفاظ ﴿اسلم تسلم﴾ ''ایمان لے آ! تو محفوظ ہو جائے گا'' کی حقیقت تک پہنچ جاتا اور اس سلامتی والے انعام کو دنیا اور آخرت کی سلامتی پر محمول کرتا تو ہر خطرے سے محفوظ ہو جاتا ، لیکن توفیق اللہ تعالی کے دستِ قدرت میں ہے'' (السیرۃ الحلبیۃ ۳/۲۴۴)

(۲۴) ﴿سيملك موضع قدمی هاتين﴾

(الخصائص الکبری:۲/۹) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سابقہ حاشیہ

(۲۵) شاہ ایران کو لکھا گیا خط اور اس کی تفصیل

صحیح بخاری. العلم:۶۲/ مسندِ احمد:مسندِ بنی ہاشم:۲۰۷۵، ۲۶۴۴

اس مقدس خط کو لیکر جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ ﷺ ہیں۔

پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (السيرة الحلبية ٣/٢٤٨)

(۲۶) ﴿لن يفلح قوم ولوا امرهم امرءة﴾

اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

صحیح بخاری : المغازی:۴۰۷۳/سنن ترمذی:الفتن:۲۱۸۸/سنن نسائی: آداب القضاۃ:۵۲۹۳/ مسند احمد : مسند البصریین:۱۹۵۰۷،۱۹۵۴۲،۱۹۵۵۶،۱۵۹۷۳،۱۹۶۰۳، ۱۹۶۱۲/ بخاری: الفتن:۶۵۷۰

(۲۷) ﴿هلك كسرى فلا كسرى بعده الخ﴾

الخصائص الکبری:۲/۱۸

(۲۸) خط کے بے ادبی کا سن کر نبی کریم کا فرمان

ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۵ نیز السیرۃ الحلبیہ ۳/۲۴۷

(۲۹) ﴿انا النبی لا کذب ○ انا ابن عبد المطلب﴾

احد کے دن آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

ملاحظہ ہو: (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم ۱/۴۲ بحوالہ صحیح بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، دارمی، بیہقی)

(۳۰) جنگِ بدر کی تفصیل

صحیح بخاری: المغازی:۳۶۵۶/ السیرۃ الحلبیہ ۲/۱۴۳

(۳۱) امم سابقہ میں مالِ غنیمت کے احکام

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

﴿قال ابن الملك من قبلنا من الامم اذا غنمو الحيوانات يكون ملكا للغانمين دون الانبياء فخص نبينا صلی اللہ علیہ وسلم باخذ الخمس والصفى ۔ واذا غنموا غيرها جمعوه فتأتى نار فتحرقه﴾

یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ اگرچہ موجودہ حکم آسانی اور سہولت کے اعتبار سے

خصوصیتِ مصطفیٰ ﷺ ہے تاہم وہ امر بھی حکمت سے خالی نہیں تھا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

﴿ولعل الحكمة فی احراق الغنيمة تحصيل تحسين النية وتزيين الطوية فی مرتبة الاخلاص فی الجهاد﴾

''مالِ غنیمت کو جلانے کا حکم صادر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ جہاد کرنے والوں کی نیت خالص ہو جائے اور وہ اخلاص کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں''

یعنی اس نیت سے نہ لڑیں کہ مالِ غنیمت ملے گا۔ (مرقاۃ ۱۰/۳۲۶)

(۳۲) <u>حضرت یوشع کے امتیوں کا مالِ غنیمت میں خیانت کرنا</u>

البدایہ والنہایہ ۱/۳۲۴،،،،،، تاریخ بغداد/

(۳۳) <u>﴿من قتل قتيلا فله سلبه﴾</u>

یہ فرمانِ عالی شان مختلف صحابۂ کرام علیھم الرضوان سے مختلف محدثین نے نقل فرمایا ہے، تفصیل ملاحظہ ہوں

(۱) بروایتِ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

صحیح بخاری: فرض الخمس: ۲۹۰۸

(۲) بروایتِ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ:

صحیح بخاری: فرض الخمس: ۲۹۰۹/ صحیح بخاری: المغازی: ۳۹۷۸ / ترمذی: السیر: ۱۴۸۷/ ابوداؤد: الجہاد: ۲۳۴۲

(۳) بروایتِ انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

ابوداؤد: الجہاد: ۲۳۴۳/ مسندِ احمد: باقی مسند المکثرین: ۱۱۶۸۸

(۳۴) <u>جنگِ ہوازن کی تفصیل، مالِ غنیمت کی مقدار</u>

جنگِ ہوازن ''غزوۂ حنین'' کا ہی دوسرا نام ہے۔ اسے غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں،

جس مقام پر یہ لڑائی ہوئی اس جگہ کا نام اوطاس ہے۔اس غزوہ کے تفصیلی واقعات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

السیرۃ الحلبیۃ ۱۰۵/۳ ،،،،،،السیرۃ النبویہ للسید احمد زینی دحلان علی ہامش السیرۃ الحلبیہ ۲۹٤/۲

(۳۵) پہلی امتوں کی عبادت کے لیے مخصوص مکانات کی شرط

ملاعلی قاری رحمہ الباری (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

﴿اراد ان اھل الکتاب لم تبح لھم الصلاۃ الا فی بیعھم و کنائسھم ،واباح اللہ عز وجل لھذہ الامۃ الصلاۃ حیث کانوا تخفیفاً علیھم وتیسیرا﴾(مرقاۃ ۳۲٦/۱۰)

(۳٦) آیتِ تیمم کا شانِ نزول،شانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

صحیح بخاری:التیمم:۳۲۲عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا/صحیح بخاری: المناقب: ۳۳۹٦/صحیح بخاری:تفسیر القرآن:۴۲۴۱/صحیح مسلم:الحیض:۵۵۰/مسندِ احمد:باقی مسند الانصار: ۲۴۲۸۳/مؤطاامام مالک:الطہارۃ:۱۱۰

(۳۷) قاعدۂ تکریم ومحبت

امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ الشفاء میں فرماتے ہیں:

﴿واذا تکلم علی العلم قال ھل یجوز ان لا یعلم الا ما عُلِّم وھل یمکن ان لا یکون عندہ علم من بعض الاشیاء متی یوحی الیہ ولا یقول بجھل لقبح اللفظ وبشاعتہ﴾ (الشفاء۲/۴٦٦)

خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر

فضیلتِ شیخین

قرآن و حدیث اور ائمہ اہل سنت کی نظر میں



مصنف

اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی

بزم اشرف العلماء


میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
قرآن و سنت کی روشنی میں
مؤلفین
مرتب
مولانا میثم عباس قادری رضوی
والضحیٰ پبلی کیشنز